تالیف

سید مسعود حسن رضوی ادیب

رزم نامۂ انیس و دبیر

تعارف و تقابل

تالیف

سید مسعود حسن رضوی ادیب

ترتیب

ڈاکٹر طاہر تونسوی

اظہار سنز

19۔اردو بازار لاہور فون: 7230150

ہیڈ آفس: 9۔ریٹی گن روڈ لاہور فون: 7220761

E-mail: izharsons_2004@hotmail.com

www.izharsons.com

۲۰۰۶ء

رزم نامۂ انیس و دبیر — تعارف و تقابل

تالیف: سیّد مسعود حسن رضوی ادیب ترتیب: ڈاکٹر طاہر تونسوی

زیر نگرانی

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن

ناشر

سیّد محمد علی انجم رضوی

طابع

سیّد اظہار الحسن رضوی

مطبع

اظہار سنز پرنٹرز، ریتی گن روڈ لاہور

کمپوزنگ

تصور کمپوزنگ سنٹر، ۱۰۸۔لٹن روڈ لاہور

قیمت ۱۸۰ روپے

انتساب

عصرِ حاضر میں اُردو میں جدید مختصر مرثیے کے امام

سیّد وحیدالحسن ہاشمی

کے نام

❖

❖ ❖

فضائے مرثیہ میں درد بھی، دوا بھی ہے

خدا کی حمد بھی، اعجاز انبیاؑ بھی ہے

وغا کی گونج بھی ہے، صلح کی ادا بھی ہے

مدینہ بھی ہے، نجف بھی ہے، کربلا بھی ہے

نہیں کلام کہ اس فن میں کیا نہیں ہوتا

مگر رثا جو نہیں، مرثیہ نہیں ہوتا

سیّد وحید الحسن ہاشمی

❖ ❖

ترتیب

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی اہم کتب

- ملتان میں اُردو شاعری (۱۹۷۲ء)
- تجزیے (۱۹۷۹ء)
- مسعود حسن رضوی ادیب۔حیات اور کارنامے (۱۹۸۹ء)
- لکھنویاتِ ادیب (۱۹۸۹ء)
- ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔احوال و آثار (۱۹۹۷ء)
- دنیائے ادب کا عرش (۱۹۹۹ء)
- مطالعہ فرید کے دس سال (۲۰۰۱ء)
- تو طے ہوا نا (شاعری) (۲۰۰۲ء)
- افکار و تجزیات (۲۰۰۲ء)
- سرسیّد شناسی (۲۰۰۳ء)
- جہت ساز قلم کار۔ڈاکٹر سلیم اختر (۲۰۰۳ء)
- جہت ساز دانشور۔ڈاکٹر عرش صدیقی (۲۰۰۳ء)
- جہت ساز تخلیقی شخصیت۔ع۔س۔مسلم (۲۰۰۳ء)
- علامہ اقبال تے سرائیکی زبان و ادب (۲۰۰۳ء)

دیباچہ

ایک ایسی جانبدارانہ گھٹن اور ایک ایسے غیر دیانتدارانہ تخلیقی حبس میں جہاں مرثیے کو ادبی تعصبات کی چکّی میں پیسا جا رہا ہو اور اسے سراسر مذہبی اور ایک انتہائی محدود صنفِ سخن قرار دیا جا رہا ہو وہاں ڈاکٹر سلیم اختر نے ''اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں اسے ایک پرزم (Prism) سے نسبت دے کر (۱) مرثیے کے خلاف بددیانتیوں کی ساری بساط ہی اُلٹ دی۔ پرزم کے بارے میں لُغت نویسوں نے یہ تشریح کی ہے کہ اقلیدس میں یہ ایک ایسی ٹھوس شکل ہے جس کے کنارے چار سے زیادہ ہوں۔ یہ مخروطی اور ہشت پہلو بھی ہو سکتی ہیں دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ یہ وسعت، تنوع اور پہلو دار زاویوں کا ایک اظہار ہے۔ مرثیے کا پہلو دار شاعری کا یہ وہی بنیادی تصور ہے جسے شبلی نے یہ کہہ کر ایک ادبی جامعیت عطا کی تھی کہ مرثیے میں جملہ اصنافِ سخن یعنی (۲) غزل، قصیدہ اور مثنوی وغیرہ کا رنگ و آہنگ اور رس موجود ہے لیکن ڈاکٹر سلیم اختر نے مرثیے کو پرزم سے تشبیہ دے کر بات کو شبلی سے آگے بڑھا دیا ہے کہ اس سے متعدد اصناف کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔

''رزم نامۂ انیس و دبیر۔تعارف و تقابل'' کا دیباچہ لکھتے ہوئے میں نے ڈاکٹر سلیم اختر کے اس خیال کو اس لئے اساسِ فکر بنایا ہے کہ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی جس ادبی شخصیت سے ذہنی مماثلت رہی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی سوچ کے اس زاویے

سے بھی انہوں نے فیضان حاصل نہ کیا ہو۔ ڈاکٹر تونسوی نے بہت انکسار سے یہ بات لکھی ہے کہ:

''...... ڈاکٹر سلیم اختر سے میرا رشتہ وہی ہے جو علامہ اقبال کا مولانا رومی سے تھا مگر وہ تو دونوں عظیم شخصیات ہیں اور ڈاکٹر سلیم اختر بھی' مگر میں اردو ادب کا ایک طالب علم ہوں تاہم ڈاکٹر سلیم اختر کا شاگرد بھی ہوں اور ان کا مقلد بھی۔'' (۳)

لیکن اس انکسار میں یہ افتخار بھی شامل ہے

''...... میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے کہ اُن کی مشہور زمانہ تصنیف اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ کی روایت کو بتاتے ہوئے ان کے تخلیق اور تنقیدی رویوں پر اظہارِ خیال کرسکوں۔'' (۴)

یہی وہ کتاب ہے جس میں مرثیے کو ڈاکٹر سلیم اختر نے بزم سے نسبت دی۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی اس کتاب کی روایت کو نبھاتے ہوئے اپنے تحقیقی اور تنقیدی کاموں کی مختلف الموضوع اور مختلف المزاج ادبی خدمات کے سفر میں آج مرثیے کی وادی میں ''رزم نامۂ انیس و دبیر'' کے مطالعہ تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش میں جس بات نے مجھے بہت متاثر کیا وہ یہ ہے کہ ایک تو وہ اپنے اساتذہ کا بہت احترام کرتے ہیں (علمی و ادبی نسبتوں کے سبب) دوسرے یہ کہ وہ اپنے موضوع سے بھی وفاداری نبھاتے ہیں۔ ''مسعود حسن رضوی ادیب۔ حیات اور کارنامے'' کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کیلئے انہیں اگرچہ اس سال یعنی سن دو ہزار پانچ میں بائیس سال ہو چکے ہیں لیکن وہ کہیں نہ کہیں اپنے موضوع سے منسلک رہتے ہیں۔ مسعود حسن رضوی اور جوش ملیح آبادی کے تعلقات پر ان کا مضمون (۵) لمحاتِ رفتگاں کو ادبی تاریخ کا حصہ بنا دیتا ہے اور اب مسعود حسن رضوی ہی کی ایک اہم تحریر رزم نامہ انیس دبیر کو انہوں نے موضوع

تحقیق بنایا ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کے مختلف الموضوعات کام برابر سامنے آ رہے ہیں لیکن مرثیے کے حوالے سے اس کتاب کا میں نے ایک بہت خوشگوار اثر یوں بھی لیا کہ عین اُس زمانے میں جب وہ اس کتاب کو ترتیب دے کر منظر عام پر لا رہے ہیں مرثیے کے متعلق بعض معروف اہلِ قلم میں شدید غلط فہمیاں پائی جا رہی ہیں جس سے ڈاکٹر تونسوی کے ذہن نے کسی گوشے سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ ابھی گزشتہ سال اسلام آباد کے ایک جریدے ''دریافت'' میں انیس و دبیر کے بارے میں ڈاکٹر محمد آفتاب احمد کی یہ رائے پڑھ کر بہت ذہنی کوفت ہوئی۔

> ''......انیس و دبیر کا مقصد رونا اور رُلانا تھا خواہشوں کا ماتم کرنا تھا وہ زندگی اور عمل سے فرار چاہتے تھے اُن کی شاعری میں افسردگی اور مایوسی ہے۔''(۶)

یہ تو مرثیے کی شاعری سے تعلق ہمارے عہد کے ایک ناقد کی رائے ہے اب مرثیے کی تحقیق کے تعلق سے بھی اس عہد کے ایک معروف محقق کے نقطۂ نگاہ کو بھی دیکھتے چلیئے۔ المیہ یہ ہے کہ مرثیے کی تحقیق کے حوالے سے یہ اظہارِ خیال جسے میں اگلی سطروں میں نقل کر رہا ہوں ایک ایسی کتاب سے لیا جا رہا ہے جس کا موضوع ہی یہ ہے کہ تحقیق کیا ہے؟ اس کے اصول وضوابط کیا ہیں؟ محقق کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اور ایک صاف ستھری تحقیق کے لئے محقق کو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے...... میری مراد ڈاکٹر گیان چند کی کتاب ''تحقیق کا فن'' سے ہے۔ یو پی اُردو اکادمی لکھنؤ سے ۱۹۹۰ء میں اس کا پہلا ایڈیشن منظرِ عام پر آیا پھر ۱۹۹۴ء میں ہمارے ادارے مقتدرہ قومی زبان نے اسے شائع کیا۔ اس کتاب میں ایک مرحلے پر گیان چند نے بعض موضوعات کو کسی بھی محقق کے لئے نامناسب قرار دیا ہے اور یہ بحث کرتے ہوئے انہوں نے یہ فتویٰ بھی جاری کر

دیا کہ کچھ موضوعات ایسے ہیں جو سراسر مناظراتی ہیں اُن کی طرف محقق کو جانا نہیں چاہئے۔ یہ سات موضوع ہیں اوران سات میں سے ایک ''اُردو میں مرثیہ نگاری'' کا موضوع بھی ہے۔(۷) دوسرے ۶ موضوعات کے عنوان پڑھ کر یہ بھی اندازہ کرلیجئے کہ انہوں نے ''اُردو میں مرثیہ نگاری'' کو کن موضوعات کے درمیان جگہ دی ہے۔ موضوعات یہ ہیں ...... اردو ادب میں فرقہ پرستی' اردو میں قادیانی ادب' پریم چند اور فرقہ پرستی' اردو کے اسلامی ناول' اُردو ادب اور اُردو ادیبوں میں تبدیلی مذہب پر ایک نظر اور ...... پاکستان کی تعمیر میں اُردو تحریک کا حصہ۔ اس آخری موضوع کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بھی ذہن میں رکھیئے کہ پاکستان کی تعمیر میں اُردو تحریکات نے جو حصہ لیا ہے اسے بھی تحقیق کا موضوع بنانے سے منع کرتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ پاکستان کے ایک مقتدر ادبی ادارے مقتدرہ قومی زبان نے بہت فخریہ طور پر اس کتاب کو یہاں شائع کیا ہے۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ ڈاکٹر گیان چند اسی کتاب کو اپنی بہترین کتاب بھی قرار دیتے ہیں۔(۸)

اس دیباچے کو پڑھتے ہوئے ممکن ہے آپ یہ سوچنے لگیں کہ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی اس تحقیق پر اظہار خیال کرتے ہوئے میں انہیں چھوڑ کر یہ کہاں چلا گیا اور ڈاکٹر محمد آفتاب احمد اور ڈاکٹر گیان چند کے نقطۂ نگاہ میں کیوں اُلجھ گیا ...... میں قطعی نہیں اُلجھا ...... اسی اُلجھاؤ ہی سے میں اس سلجھاؤ کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو ڈاکٹر طاہر تونسوی کی بیدار مغزی اور روشن خیالی سے صنفِ مرثیہ کی تردید و اختلاف کی اس بھیڑ میں اپنی ایک شناخت رکھتا ہے۔ وہ اگرچہ براہ راست مرثیے کے محقق نہیں ہیں لیکن اُن کی تحریروں کے مطالعہ کے دوران میں نے یہ دیکھا ہے کہ وہ جب بھی صنف مرثیہ پر قلم اٹھاتے ہیں اور رثائی ادبیات کے ذیل میں میر انیس سے محسن نقوی تک کہیں بھی کچھ لکھتے ہیں تو اس صنف کو تمام اصنافِ سخن کے ادبی سلسلے سے کاٹ کر الگ نہیں کر دیتے

ان کے یہاں مرثیے پر تحقیق، مذہبی یا مناظراتی موضوع پر تحقیق کے ذیل میں نہیں آتی اور اس طرح مرثیے کے متعلق بعض غیر متوازن تنقیدی نظریات رکھنے والوں کے دستِ تنگ و تہی پر وہ بیعت نہیں کرتے۔ ان کی اپنی ایک ثقافتی و تہذیبی میراث ہے۔ اپنے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا تھا کہ ''میں کسی کا ادبی مزارع نہیں ہوں'' (۹) یہی وجہ ہے کہ وہ زمین شعر پر ناجائز قبضہ کرنے والوں سے کہیں متفق نہیں ہوئے۔ وہ شاعری کی طہارت و ریاضت کے قدردان ہیں۔ مرثیہ بھی ان کے نزدیک شاعری ہے کوئی مذہبی دستاویز نہیں۔ اسی سلسلہ خیال سے ان کا شجرۂ ادب محمد حسین آزاد، حالی اور شبلی سے جا کر ملتا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین نے انہی تینوں ناقدوں کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے کہ:

> ''اس دور کے تین اہم ترین نقادوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے انداز میں مرثیہ گوئی، مرثیہ نویسوں کے متعلق اظہارِ خیال کر کے اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا کہ ان کا تعلق صرف مذہبی ادب کے محدود دائرے سے ہے۔'' (۱۰)

مناظراتی موضوعات وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق ایک محدود حلقہ خیال سے ہوتا ہے اور جن کی تان دل آزاری پر جا کر ٹوٹتی ہے اور یہ اپنی محدودیت کی وجہ سے عوام سے سروکار نہیں رکھتے جبکہ ڈاکٹر طاہر تونسوی اپنے تحقیقی مقالے میں بہت واضح لفظوں میں یہ بات لکھ چکے ہیں کہ:

> ''انیس و دبیر کے دور نے مرثیے کا تعلق براہ راست عوام سے ہوا اور اس طرح مرثیے کی جدید روایت کا بھی آغاز ہوا۔'' (ص ۱۸۴)

فیض صاحب نے بھی ایک جگہ لکھا تھا کہ:

> ''مرثیہ نویسوں کا کلام اس لئے قابل قدر ہے کہ انہوں نے عوام کی طرف

رجوع کیا ہے۔''(میزان ۱۹۶۲ء)

تو یہ عوام کے سینوں میں دھڑکنے والی شاعری گروہ بندیوں اور مناظراتی حلقوں کی شاعری نہیں ہوتی۔ شبلی انیس کے ہم عقیدہ نہیں تھے لیکن انہیں انیس کی شاعری نے مار دیا تھا۔ ڈاکٹر تونسوی اسی کے رمز شناس ہیں جب ہی وہ اپنے تحقیقی موضوع کے مطالعہ میں اس نکتے کو سامنے لائے ہیں کہ...... ''مسعود حسن رضوی نے بھی شبلی کی طرح انیس شناسی کی آخری حدوں کو چھوا ہے۔''(۱۱) ان چند انتہائی بنیادی نکات سے ہم شاید اس سرے تک پہنچ گئے ہیں جس سے ڈاکٹر طاہر تونسوی کی رثائی فکر کا سفر شروع ہوتا ہے۔

O

رزم نامۂ انیس و دبیر۔ تعارف و تقابل ...... یہ کتاب کیا ہے؟ اس کے مباحث کیا ہیں اور ڈاکٹر طاہر تونسوی کی تحقیقی نگاہ کو اس میں کیا دخل ہے؟ اس پیش لفظ میں چند ایسے اہم پہلوؤں کا اظہار ایک بنیادی تقاضا ہے جس سے اس کتاب کا قاری اور مرثیے کا طالب علم کہیں بھٹکے نہیں بلکہ وہ بآسانی یہ بات سمجھ سکے کہ ڈاکٹر طاہر تونسوی کے اس کام کی ادبی اہمیت و افادیت کیا ہے۔

قادرالکلام شعرا سے یہ توقع کی جاتی رہی ہے کہ وہ اپنی تخلیقی قدرتِ اظہار کے بل بوتے پر طویل نظموں کی تخلیق سے ادبیاتِ عالم کی میزان میں اُردو کے شعری ذخیرے کو ایک تاریخی حُرمت عطا کر سکیں گے غالباً ۱۹۴۰ء میں احتشام حسین نے جوش صاحب کی قادرالکلامی اور لفظ و بیان پر ان کی گرفت دیکھ کر یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ کسی طویل تر نظم کی تخلیق کی طرف مائل ہوں چنانچہ جوش صاحب نے اس سال ''حرفِ آخر'' شروع کی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی وفات (۱۹۸۲ء) کے وقت اس کے اشعار کی تعداد ۲۵ ہزار تھی۔ انیس کی قدرتِ کلام سے کسے انکار ہوگا۔ مسعود حسن

رضوی کے دل میں بھی یہی خواہش کروٹیں لیتی رہی کہ

''— کاش اس شاعرِ اعظم نے کربلا کے عظیم واقعے پر ایک طویل
رزمیہ نظم تصنیف کی ہوتی جو ہماری شاعری کی عظمت میں اضافہ کرتی اور
جسے ہم دنیا کی عظیم نظموں کے مقابلے میں پیش کر سکتے۔''

پروفیسر احتشام حسین نے جوش صاحب سے براہ راست اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سو جوش صاحب نے قلم اٹھالیا مگر جب مسعود حسن رضوی ادیبؔ کے ذہن میں یہ خیال آیا اور یہ خواہش پیدا ہوئی تو انیس کی وفات کو تقریباً ۸۰ برس گزر چکے تھے۔ اب انہوں نے خود ہی راستہ تلاش کرلیا۔

''— میری یہی تمنا آخرکار اس کی متقاضی ہوئی کہ انیس کے مرثیوں
سے مناسب اقتباسات منتخب کر کے انہیں اس طرح ترتیب دیا جائے
کہ ایک مسلسل رزم نامہ وجود میں آ جائے۔''

انیسؔ نے جو کام اپنے قلم سے کیا مسعود حسنؔ رضوی نے اسے اپنے ذہن سے انیسؔ کے بغیر ایک طویل رزمیہ نظم کی صورت دے دی۔ مگر یہ کام کچھ سہل نہیں تھا۔ عبدالماجد دریابادی کی یہ رائے ڈاکٹر طاہر تونسوی نے نقل کی ہے کہ:

''جتنا کمال اصل شاعر کا نکلتا ہے اس سے کچھ ایسا دب کر پلہ مرتب کا
بھی نہیں رہتا۔''

''رزم نامۂ انیس'' کی تدوین اشاعت (۱۹۵۷ء) کے سات سال بعد مرزا دبیر کے صاحبزادے مرزا اوجؔ کے شاگرد خبیر لکھنوی نے رزم نامۂ دبیر (۱۹۶۴ء) رزم نامۂ انیس ہی کی تاسی میں ترتیب دیا۔ جسے نسیم بکڈپو لکھنو نے شائع کیا۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی ۱۹۷۹ء کے وسط میں جب پی ایچ ڈی کے لئے اپنے تحقیقی موضوع ''مسعود حسن رضوی ادیب۔ حیات اور کارنامے'' پر مواد کی تلاش میں بھارت میں رہے اور لکھنو میں انہوں

نے مسعود صاحب کے نادر و نایاب کتب خانے کو کھنگالا تو وہاں ان گنت نوادرات کے انبار میں انہیں وہ کتابچہ دستیاب ہوا جو زیرِ نظر کتاب کی ترتیب کا محرک ہوا۔ ڈاکٹر تونسوی نے وضاحت کی ہے کہ

''مسعود حسن رضوی ادیب نے ان دونوں کتابوں (رزم نامۂ انیس اور رزم نامۂ دبیر) کو سامنے رکھ کر ایک کتابچہ مرتب کیا۔ رزم نامۂ انیس اور رزم نامۂ دبیر کا تقابلی مطالعہ۔ یہ مسودہ نامکمل ہے اور اس میں موضوعات کے اعتبار سے انیس و دبیر کے بندوں کے صفحات کی نشاندہی کی گئی ہے۔''

ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بنیادی کام یہ کیا کہ رزم نامۂ انیس (۱۲۵۴ بند) اور رزم نامۂ دبیر (۱۳۸۸ بند) سے محقق اول کی ترتیب کو پیشِ نظر رکھ کر بندوں کو الگ الگ نقل کر کے مدون کیا۔ یہ ترتیب و تدوین ہی کچھ سہل نہیں۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے روزنامہ جنگ کراچی کے ادبی صفحے کے مرتب منظر امکانی مرحوم کو انٹرویو دیتے ہوئے یہی گلہ کیا تھا کہ

''بدقسمتی سے ہمارے یہاں ترتیب دینے کے کام کو تیسرے درجے کا کام بھی نہیں سمجھا جاتا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دس بیس کتابیں سامنے رکھ کر ایک نئی کتاب مرتب کر دی جاتی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مجھ پر یہ اعتراض اور لوگوں نے بھی کیا لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی اعتراض کرنے والے اس کام سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔''

(۱۰۔جنوری ۱۹۹۷ء)

تحقیق بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ بڑا خون تھوکنا پڑتا ہے اس میں۔ جاندار مقالے اور اچھی تنقیدی تحریریں' دستیاب تحقیقی نتائج ہی پر اپنی بنیادیں کھڑی کرتے ہیں اور دیرپا اثرات قائم کرتے ہیں۔ کمزور اور ناقص بنیادیں رکھنے والی

عمارتیں ایک نہ ایک دن زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ جو تحقیقی کام ڈاکٹر طاہر تونسوی نے کیے ہیں وہ ادب کے بلند و بالا روّیوں کو بنیاد فراہم کرنے کے کام ہیں اور پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ محض ترتیب کے کام ہیں۔ اس کتاب کے مرتب نے نہ صرف انیس و دبیر کے بندوں کے شعری احساس کو پرکھا ہے بلکہ مسعود حسن رضوی ادیب کی عرق ریزیوں کی تہوں میں بھی وہ اُترے ہیں۔ مسعود صاحب پر ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ان کی جملہ خدمات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں ایک مقام پر انہوں نے رزم نامۂ انیس (۱۹۵۷ء) پر اظہار خیال کرتے ہوئے بائیس سال پہلے خلاصے کے طور پر یہ رائے دی تھی:

> ''اس میں خاصی احتیاط کی ضرورت تھی تا کہ کہیں تضاد، تناقص یا عدم مطابقت کا احساس پیدا نہ ہو اور متفرق اجزا اس طرح جوڑے جائیں کہ پیوند دکھائی نہ دیں اس اہم مگر دشوار کام کو مسعود حسن رضوی نے بڑی خوبی سے نبھایا ہے اور اس میں جو تسلسل، روانی، مطابقت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس سے مسعود حسن رضوی کی ذہنی اور جسمانی محنت اور عرق ریزی کا علم ہوتا ہے۔'' (ص ۱۸۹)

رزمیۂ انیس و دبیر کے تقابلی مطالعے کے ذیل میں ایک اُدھورے اور نامکمل مسودے کو جس محنتِ شاقہ سے ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ترتیب دیا اور کم و بیش چالیس سال سے پس پردہ پڑے ہوئے اس نادر و نایاب رثائی اثاثے کو وہ منظر عام پر لائے تو میں ان کی اس بے لوث اور بے بہا ادبی خدمت کے اعتراف میں ایک ہلکی سے رد و بدل کے بعد وہی رائے دوبارہ نقل کروں گا جو ابھی درج بالا اقتباس میں خود انہوں نے مسعود حسن رضوی کے متعلق قلمبند کی۔

ڈاکٹر ہلال نقوی

صدر شعبۂ اُردو

گورنمنٹ کالج گلشن اقبال، کراچی

جمعرات ۱۶۔ جون ۲۰۰۵ء

حوالہ جات :

(۱) ایڈیشن ۲۰۰۲ء، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۵۸۵

(۲) موازنہ انیس و دبیر، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۹۰۷ء، ص ۲

(۳) جہت ساز قلم کار، ڈاکٹر سلیم اختر، لاہور، الفیصل اُردو بازار، جنوری ۲۰۰۳ء، ص ۹

(۴) ایضاً

(۵) مسعود حسن رضوی ادیب اور جوش ملیح آبادی، متضاد نظریات کے حامل دو کردار، مشمولہ ''ارتقا'' (کراچی) جوش سیمینار نمبر۔ دسمبر ۱۹۹۹ء ص ۵۵ تا ۶۲

(۶) ''دریافت'' اسلام آباد، شمارہ ستمبر ۲۰۰۴ء، ص ۳۸۸۔

(۷) ڈاکٹر گیان چند، تحقیق کا فن، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۴ء ص ۸۵، ۸۶

(۸) طلوعِ افکار، کراچی، شمارہ جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۵

(۹) ادبی صفحہ، روزنامہ ''جنگ'' کراچی، ۱۰ جنوری ۱۹۹۷ء، ص ۷

(۱۰) موازنۂ انیس و دبیر (مضمون)، مشمولہ، ادیب (علی گڑھ) شمارہ ستمبر ۱۹۶۰، ص ۱۰۲

(۱۱) مسعود حسن رضوی ادیب۔ حیات اور کارنامے، لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع اول، اپریل ۱۹۸۹ء، ص ۱۴

مقدمہ

رزم نامۂ انیس و دبیر کا تقابلی تعارف

(۱)

مسعود حسن رضوی ادیب کو مرثیوں سے جو دلچسپی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مرثیوں کی تلاش میں انہوں نے اپنی ساری زندگی صرف کر دی اور اتنا مواد جمع کر لیا کہ زندگی ہی میں اس کو سمیٹنا ان کے لئے مشکل ہو گیا تھا یہی وجہ ہے کہ مرثیہ کی صنف میں انہوں نے کتابی شکل میں کوئی جامع کام نہیں کیا البتہ تاریخ مرثیہ کے سلسلے میں جو مضامین لکھے وہ قابلِ قدر بھی ہیں اور تحقیق کی عمدہ مثالیں بھی۔ یہ الگ بات کہ اُنہوں نے انیس کے ضمن میں اتنا کام کر دیا کہ جو آج تک کسی سے بھی نہ ہو سکا۔ مرثیہ اور انیس کے سلسلے میں اس کی تفصیل میرے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے اور سید مسعود حسن رضوی ادیب حیات اور کارنامے میں دیکھی جا سکتی ہے جسے مجلسِ ترقی ادب لاہور نے اپریل ۱۹۸۹ء میں شائع کیا تھا اور یہ ص ۱۷۵ تا ص ۱۹۲

میں موجود ہے۔ مسعود حسن رضوی ادیب کی مرثیے سے دلچسپی کے بارے میں علی جواد زیدی لکھتے ہیں:

''مسعود صاحب اب سے باسٹھ برس پہلے خاص محرم کے مہینے میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کو مرثیوں سے جو خاص شغف ہے اس میں ادبی لگاؤ کے ساتھ ساتھ شاید تاریخِ پیدائش کو بھی دخل ہے۔ مسعود صاحب نہ تو خود مرثیہ گو ہیں نہ مرثیہ خواں لیکن مرثیے کی تاریخ و تفسیر و تنقید پر آپ کی تحقیق حرفِ آخر کا مرتبہ رکھتی ہے۔'' (آپ سے ملیئے' از علی جواد زیدی ۱۹۶۳ء ص ۸۱)

اسی طرح انیس سے دلچسپی اور عقیدت کا تذکرہ کرتے ہوئے مالک رام نے لکھا ہے:

انیس کے ہم عصر انیسیوں میں اور مسعود صاحب میں ایک فرق تھا۔ جن لوگوں نے انیس کی زندگی میں ان کی حمایت کا اعلان کیا انہوں نے ان کی زبان' پڑھنے کے انداز اور مرثیے کے دروبست کو پسند کر کے ایسا کیا تھا۔ یہ حمایت بہت حد تک جذباتی تھی وہ اپنی ذات تک بے شک مطمئن تھے کہ اپنے حریفوں کے مقابلے میں انیس بہتر مرثیہ گو اور مرثیہ خواں ہیں لیکن اگر ان سے دریافت کیا جاتا کہ انیس کی عظمت کے کیا اسباب ہیں؟ اُنہوں نے مرثیے کے ذریعے سے علم و ادب کی کیا خدمت کی ہے؟ ان کے مرثیوں کی فنی خوبیاں کیا ہیں؟ تو یقیناً وہ ان سوالات کا جواب دینے سے قاصر رہتے۔ مسعود صاحب نے انہی سوالوں کا جواب دیا اور یہی ان کے پیش روؤں سے مابہ الامتیاز ہے۔''
(ماہنامہ'' آج کل'' نئی دہلی' فروری ۱۹۷۶ء ص ۲۴)

مسعود حسن رضوی ادیب نے انیس پر بے بہا اور بیش بہا کام کیا ہے اور وہ بہت سا کام نہ کر سکے کہ زندگی نے ان سے وفا نہ کی تاہم رزم نامۂ انیس ان کی محنت' ریاضت اور

تحقیقی کمال کا بہترین نمونہ ہے۔ رزم نامۂ انیس ۱۹۷۵ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ یہ خود مسعود حسن رضوی کے ذہن کی پیداوار ہے اس میں بارہ سو چون بند ہیں جس میں حضرت امام حسینؑ کی ولادت سے شہادت تک مراثی انیس کے بہترین اقتباسات ترتیب دیئے گئے ہیں اور ان کو اس طرح مربوط و منظم کیا گیا ہے کہ کہیں بھی جھول نظر نہیں آتا اس کا سببِ ترتیب بتاتے ہوئے مسعود حسن رضوی لکھتے ہیں:

''میر انیس کے رزمی عناصر کو دیکھ کر اور ان کے شاعرانہ کمال کا اندازہ کر کے میری طرح بہتوں کو یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش اس شاعرِ اعظم نے کربلا کے عظیم واقعے پر ایک طویل رزمیہ نظم تصنیف کی ہوتی جو ہماری شاعری کی عظمت میں اضافہ کرتی اور جسے ہم دنیا کی عظیم نظموں کے مقابلے میں پیش کر سکتے۔ میری یہی تمنا آخر کار اس کی متقاضی ہوئی کہ انیس کے مرثیوں سے مناسب اقتباسات منتخب کر کے اُنہیں اس طرح ترتیب دیا جائے کہ ایک مسلسل رزم نامہ وجود میں آ جائے یہ کام جتنا آسان اور سہل الحصول معلوم ہوتا تھا اُتنا ہی دشوار اور صبر آزما نکلا۔ مناسب اقتباسات کی جستجو میں مراثیٔ انیس کے ضخیم مجلدات کا بار بار مطالعہ کرنا پڑا اور ان متفرق اقتباسات سے ایک مسلسل نظم مرتب کرنے کی کوشش میں بڑی دماغ سوزی اور دیدہ ریزی کرنا پڑی۔'' (رزم نامۂ انیس ص ج)

رزم نامۂ انیس کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے تبصرے کی چند سطریں ملاحظہ کیجئے' ان کے بقول:

''رزم نامہ اب ایک مرتب و مکمل شکل میں ہے اور اس سے جتنا کمال اصل شاعر کا نکلتا ہے اس سے کچھ ایسا دب کر پلہ مرتب کا بھی نہیں رہتا۔'' (ہفتہ وار ''صدقِ جدید'' لکھنؤ' اگست ۱۹۵۸ء ص ۵)

مسعود حسن رضوی ادیب کی تقلید میں خبیر لکھنوی نے رزم نامۂ دبیر ترتیب دیا اور اس کا اعتراف بھی کیا۔ وہ دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں جب اُردو کی طرف سے رجحان ہٹایا جارہا ہے کس کو پڑی ہے کہ سینکڑوں مرثیے پڑھے اس لئے میرے محترم دوست پروفیسر سیّد مسعود حسن رضوی ادیب نے میر انیس کے مرثیوں سے اقتباس کر کے ایک کتاب ''رزم نامۂ انیس'' کے نام سے شائع کی اور ان کی یہ سعی مشکور بھی ہوئی۔ مجھ کو بھی خیال پیدا ہوا کہ اس قسم کی ایک کتاب ''رزم نامۂ دبیر'' کے نام سے ترتیب دوں جس میں کلامِ دبیر کے بہترین اقتباسات ہوں۔'' (رزم نامۂ دبیر ص ۱۳۔۱۴)

مسعود حسن رضوی ادیب کا رزم نامۂ انیس ۱۹۵۷ء میں سامنے آیا اور سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی نے رزم نامۂ دبیر مرتب کر کے ۱۹۶۴ء میں شائع کرایا۔ مسعود حسن رضوی ادیب نے ان دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر ایک کتابچہ مرتب کیا ''رزم نامۂ انیس اور رزم نامۂ دبیر کا تقابلی مطالعہ''...... یہ مسودہ نامکمل ہے اور اس میں موضوعات کے اعتبار سے انیس اور دبیر کے بندوں کے صفحات کی نشاندہی کی گئی ہے اس کی غرض و غایت بیان کرنے کے لئے کچھ سطور بھی انہوں نے لکھی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''رزم نامۂ انیس پہلے مرتب ہوا تھا اور اس کو سامنے رکھ کر رزم نامۂ دبیر ترتیب دیا گیا اس سے بہتر تو یہ تھا کہ کلامِ انیس پہلے اور اس کے جواب میں کلامِ دبیر کو پیش کیا جائے لیکن رزم نامۂ انیس میں صرف بڑے بڑے عنوانات قائم کئے گئے ہیں اور رزم نامۂ دبیر میں ہر بڑے عنوان کے تحت ذیلی عنوانات کثرت سے قائم کر دیئے گئے ہیں اور جس کی وجہ سے ہم مضمون مقامات کی نشاندہی آسان ہوگئی ہے اس

لئے ہم یہ عنوانات رزم نامۂ دبیر سے لے کر پہلے دبیر کا کلام درج کریں گے اور اس کے بعد انیس کا کلام پیش کریں گے۔ حسبِ ضرورت بعض نئے عنوان بھی قائم کرنا پڑے ہیں جو عنوان ہم نے قائم کئے ہیں ان کی شناخت کے لئے اُن پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔ جو مقامات ایک رزم نامے میں ہیں اور دوسرے میں نہیں ہیں وہ آخر میں درج کئے جائیں گے۔

رزم نامۂ انیس امام حسینؑ کی شہادت پر ختم ہو جاتا ہے اس لئے کہ واقعۂ کربلا کا رزمی حصہ یہیں پر ختم ہوتا ہے۔ رزم نامۂ دبیر میں امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خیموں کی تاراجی، اہلِ حرم کی اسیری، دربارِ کوفہ وشام میں آمد، مدینے میں واپسی تک کے حالات بھی لکھے گئے ہیں۔ ہم تقابل کے لئے انیس کے مرثیوں سے یہ مقامات بھی پیش کریں گے۔ ہم کہیں اظہارِ رائے نہ کریں گے۔ یہ کام فنِ تنقید کے ماہروں کو کرنا چاہیئے۔ ہم نے ہر طرح کے کلام کے نمونے بالتقابل درج کر دیے ہیں اس طرح نقادوں کا کام آسان ہو گیا۔ اب وہ دونوں کے امتیازی خصوصیات اور دونوں کا مطمحِ نظر بیان کر کے دونوں کا مرتبۂ شاعری معین کر سکیں گے۔''

اس تقابلی مطالعے میں ''حُرؑ کی میدانِ جنگ میں آمد'' تک بندوں کا انتخاب کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح صرف ایک عنوان اپنی طرف سے قائم کیا گیا ہے جو ''ممدوح کی تائید اور دعا کی مقبولیت'' ہے اور اس پر نشان لگا دیا گیا ہے۔ یہ تقابل مطالعہ نامکمل ہے بہر طور اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے کہ اس سے انیس و دبیر کے شاعرانہ کمالات، فنی عروج اور مقام و مرتبے کا تعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ موضوعات کے حوالے سے تقابلی مطالعہ پیش ہے۔ اس میں انیس کے بند پہلے اور دبیر کے بعد میں درج کئے گئے ہیں۔

❖ شاعر کی دُعا بارگاہ خداوندی میں

• انیس — بند ۱۔۴ — ص ۱

• دبیر — بند ۱ چار مصرعے صرف — ص ۱

اس بند کی بیت سے بعد کے چار بندوں میں رسولؐ کے سخن کی مدح ہے جس کو شاعر کی دُعا سے تعلق نہیں۔

❖ ممدوح کی تائید' دُعا کی مقبولیت

• انیس — بند ۱۲۔۱۴ — ص ۳

• دبیر — بند ۷ — ص ۲

❖ بے قدریٔ سخن کی شکایت

• انیس — بند ۱۵۔۱۶ — ص ۴

• دبیر — بند ۱۷ — ص ۲

❖ شاعرانہ تعلّی

• انیس — بند ۵۔۷ — ص ۲

بند ۴۲۷۔۴۳۰ — ص ۸۸

بند ۵۳۴۔۵۳۶ — ص ۱۱۰

بند ۸۲۲۔۸۲۳ — ص ۱۶۹

بند ۹۲۲۔۹۲۴ — ص ۱۹۰

• دبیر — بند ۸۔۱۲ — ص ۲۔۳

❖ تفاخرِ شاعرانہ

- انیس — بند ۶۱۶_۶۱۹ — ص ۱۲۷
- بند ۶۷۵_۶۷۷ — ص ۱۳۹
- دبیر — بند ۷۵۸_۷۶۱ — ص ۷۵_۱۷۴

❖ امام حسینؑ کا مدینے سے عزمِ سفر

- انیس — بند ۷۴_۸۹ — ص ۱۹_۱۶
- دبیر — بند ۸۰_۸۱ — ص ۱۱۹

❖ امامؑ کی رخصت اپنی دخترِ بیمار صغریٰؑ سے

- انیس — بند ۹۰_۱۲۲ — ص ۲۶_۱۹
- دبیر — بند ۸۲_۱۰۰ — ص ۲۳_۱۹

❖ راستے میں گرمی کی شدت

- انیس — بند ۱۵۶_۱۶۲ — ص ۳۴_۳۳
- بند ۱۹۸_۲۰۱ — ص ۴۲_۴۱
- دبیر — بند ۲۱۴_۲۱۸ — ص ۵۱_۴۹

❖ اصحابِ امامؑ کا دشمنوں کو پانی پلانا

- انیس — بند ۱۸۱_۱۸۶ — ص ۳۹_۳۸
- دبیر — بند ۲۵۰_۲۵۶ — ص ۵۸_۵۷

❖ کربلا میں ورُود

◆ انیس　بند ۲۲۵_۲۰۳　ص ۴۲_۴۷

◆ دبیر　بند ۲۸۱_۲۷۸　ص ۶۳_۶۷

❖ امامؑ کا خیمہ نصب ہونا

◆ انیس　بند ۲۳۴_۲۲۶　ص ۴۷_۴۹

بند ۲۶۹_۲۶۸　ص ۵۵_۵۶

بند ۳۳۱_۳۲۸　ص ۶۸_۶۹

◆ دبیر　بند ۲۸۵_۲۸۲　ص ۶۴_۶۵

بند ۳۰۷_۳۰۵　ص ۷۰

❖ فوجِ شام کا ورُود

◆ انیس　بند ۲۴۴_۲۳۸　ص ۴۹_۵۱

◆ دبیر　بند ۳۱۱_۳۰۸　ص ۷۱

❖ عباسؑ کا غیظ

◆ انیس　بند ۲۵۹_۲۴۵　ص ۵۱_۵۴

◆ دبیر　بند ۳۲۴_۳۱۲　ص ۷۲_۷۴

❖ امامؑ، عباسؑ کو سمجھاتے ہیں

◆ انیس　بند ۲۶۷_۲۶۰　ص ۵۴_۵۵

◆ دبیر　بند ۳۳۱_۳۲۵　ص ۷۴_۷۶

❖ رات کا منظر

◆ انیس	بند ۲۹۰_۲۸۷	ص ۶۰
◆ دبیر	بند ۲۳۶_۲۳۳	ص ۷۶_۷۸
	بند ۲۳۹_۲۳۸	

❖ صبح عاشور کا منظر

◆ انیس	بند ۳۲۷_۳۱۷	ص ۶۶_۶۸
	بند ۳۴۴_۳۴۲	ص ۷۱
◆ دبیر	بند ۳۵۰_۳۴۲	ص ۷۹_۸۰

❖ نمازِ صبح

◆ انیس	بند ۳۴۱_۳۳۳	ص ۶۹_۷۱
◆ دبیر	بند ۳۳۷	ص ۷۷
	بند ۳۵۴_۳۵۱	ص ۸۱

❖ اصحابِ امامؑ کی جلالتِ قدر

◆ انیس	بند ۳۵۲_۳۴۸	ص ۷۲_۷۳
	بند ۴۳۶_۴۳۲	ص ۸۹_۹۰
	بند ۵۰۲_۵۳۸	ص ۱۱۱_۱۱۳
◆ دبیر	بند ۳۶۴_۳۵۵	ص ۸۱_۸۳

❖ جوانانِ ہاشمی اور عزیزانِ امام کی شان

◆ انیس	بند ۳۵۵_۳۵۲	ص ۷۳_۷۴

بند ۴۱۸_۴۲۶ ص ۸۷_۸۶

بند ۴۳۷_۴۴۱ ص ۹۱_۹۰

بند ۵۵۷_۵۵۹ ص ۱۱۵_۱۱۴

◆ دبیر بند ۱۰۴_۱۰۵ ص ۲۴

بند ۳۶۵_۳۷۷ ص ۸۶_۸۳

❖ یزیدی فوج میں جنگ کی تیاریاں

◆ انیس بند ۳۴۵_۳۴۷ ص ۷۲

◆ دبیر بند ۳۷۸_۳۹۰ ص ۸۹_۸۷

❖ فوجِ شام کا آگے بڑھنا اور جنگی باجے بجانا

◆ انیس بند ۴۴۲_۴۴۴ ص ۹۱

◆ دبیر بند ۳۹۹_۴۰۰ ص ۹۲_۹۱

❖ امام حسینؑ کا خطبہ اور اتمامِ حجت

◆ انیس بند ۴۴۵_۴۶۰ ص ۹۴_۹۱

◆ دبیر بند ۴۰۳_۴۱۸ ص ۹۷_۹۲

❖ بچپن کے دوست حبیبؓ ابن مظاہر اسدی

◆ انیس بند ۵۴۹_۵۵۰ ص ۱۱۳

◆ دبیر بند ۴۹۳_۴۹۴ ص ۱۱۳

❖ نشانِ فوجِ حسینیؑ

◆ انیس　　بند ۳۶۹۔۳۷۷　　ص ۷۷۔۷۶

◆ دبیر　　بند ۵۱۷۔۵۲۳　　ص ۱۲۰۔۱۱۹

❖ منصبِ علَم داری کا فیصلہ

◆ انیس　　بند ۳۸۱۔۳۸۷　　ص ۷۹۔۷۸

◆ دبیر　　بند ۵۲۴۔۵۲۷　　ص ۱۲۱۔۱۲۰

❖ بے ثباتیِ دُنیا

◆ انیس　　بند ۴۳۔۴۷　　ص ۱۰

◆ دبیر　　بند ۵۶۱۔۵۶۳　　ص ۱۲۹

❖ حضرت زینبؑ کی اپنے بیٹوں سے ناراضی

◆ انیس　　ناراضی کا سبب جنگ کی اجازت لینے میں تاخیر کرنا

بند ۵۷۳۔۵۸۴، ۵۸۸　　ص ۱۲۱۔۱۱۸

◆ دبیر　　ناراضی کا سبب شمر سے بات کرنا

۵۶۹۔۵۷۰، ۵۷۵۔۵۸۴ ص ۱۳۴۔۱۳۰

❖ حضرت زینبؑ کا بیٹوں کو رخصت کرنا

◆ انیس　　بند ۵۹۰۔۵۹۶　　ص ۱۲۳۔۱۲۲

◆ دبیر　　بند ۶۰۳۔۶۰۴　　ص ۱۴۰۔۱۳۹

❖ عونؑ و محمدؑ کا رجز

• انیس بند ۶۰۵_۶۱۰ ص ۱۲۶_۱۲۵

• دبیر بند ۶۰۶_۶۲۰ ص ۱۷۳

❖ بیٹوں کی لاش پر حضرت زینبؑ کے تاثرات

• انیس [illegible] ۶۶۷_۶۷۴ ص ۱۳۸_۱۳۷

• دبیر بند ۶۵۲_۶۵۵ ص ۱۵۱_۱۵۰

❖ قاسمؑ کا سراپا

• انیس بند ۶۷۸_۶۸۱ ص ۱۴۰_۱۳۹

بند ۷۰۵_۷۰۶ ص ۱۴۵

• دبیر ۶۶۵_۶۷۱ ص ۱۵۵_۱۵۴

❖ قاسمؑ اور ازرق شامی کی جنگ

• انیس بند ۷۳۳_۷۳۴ ص ۱۵۴_۱۵۰

۷۳۹، ۷۴۴، ۷۴۸، ۷۵۰

• دبیر بند ۷۰۶_۷۰۹ ص ۱۶۳

❖ حضرت عباسؑ کا دریا پر پہنچنا اور مشک بھرنا

• انیس بند ۸۸۶_۸۹۰ ص ۱۸۲

• دبیر بند ۸۲۱_۸۲۳ ص ۱۸۹_۱۸۸

❖ امام حسینؑ کی سکینہؑ سے رخصت

- انیس — بند ۱۰۹۹-۱۱۰۴ — ص ۲۲۶
- دبیر — بند ۱۰۳۶، ۱۰۳۷-۱۰۴۵ — ص ۲۴۰-۲۳۹

❖ گھوڑے کی تعریف

- انیس — بند ۷۰۰-۷۰۴ — ص ۱۴۴ — قاسمؑ نوشاہ کا گھوڑا
  - بند ۸۰۰-۸۰۷ — ص ۱۶۴ — حضرتِ عباسؑ کا گھوڑا
  - بند ۸۵۵-۸۵۷ — ص ۱۷۵ — حضرت عباسؑ کا گھوڑا
  - بند ۱۰۱۴-۱۰۱۹ — ص ۲۰۸ — حضرت علی اکبرؑ کا گھوڑا
  - بند ۱۱۱۹-۱۱۲۵ — ص ۲۲۹ — امام حسینؑ کا گھوڑا
  - بند ۱۲۱۳-۱۲۱۸ — ص ۲۴۸ — امام حسینؑ کا گھوڑا
- دبیر — بند ۴۵۱-۴۵۲ — ص ۱۰۳ — حضرت حُرؒ کا گھوڑا
  - بند ۷۷۷-۷۸۰ — ص ۱۷۸ — حضرت عباسؑ کا گھوڑا
  - بند ۸۸۰-۸۸۱ — ص ۲۰۲ — حضرت علی اکبرؑ کا گھوڑا
  - بند ۱۰۸۷-۱۰۸۸ — ص ۲۵۰ — امام حسینؑ کا گھوڑا

❖ حُرؒ کی میدانِ جہاد میں آمد

- انیس — بند ۴۹۱-۴۹۳ — ص ۱۰۱
- دبیر — بند ۴۴۲-۴۴۴ — ص ۱۰۱

❖ امامؑ جلیل کے چہرے کی تعریف

- انیس — بند ۱۱۳۷ — ص ۲۳۳

◆ دبیر بند ۱۰۵۷ ص ۲۴۳

❖ تلوار کی تعریف

◆ انیس

(نامکمل)

رزم نامۂ انیس اور رزم نامۂ دبیر میں بندوں کے نمبر لگا دیئے گئے ہیں۔ .

(۲)

مسعود حسن رضوی ادیب نے یہ تقابلی مطالعہ ۱۹۶۴ء کے بعد کیا تھا اور ان کے نوادرات میں قلمی شکل میں موجود تھا جہاں سے میں نے ۱۹۷۹ء میں اپنے قیام لکھنؤ کے دوران تلاش کیا۔ مسعود حسن رضوی ادیب کا انتقال ۲۹ نومبر ۱۹۷۵ء کو ہوا۔ یوں گیارہ برس تک یہ نوادران کے ہاں پڑا رہا اور اب میں نے ۳۹ سال بعد اسے قرطاس وقلم کے حوالے کیا ہے اور رزم نامۂ انیس اور رزم نامۂ دبیر کے (۱۲۵۴ اور ۱۳۸۸) بندوں سے مسعود حسن رضوی ادیب کی ترتیب کے مطابق الگ الگ نقل کر کے مدون کیا ہے اور اب یہ ''رزم نامۂ انیس و دبیر —— تقابل وتجزیہ'' کے نام سے کتابی شکل میں سامنے آنے والا ہے تا کہ مسعود حسن رضوی ادیب کی محنت اور تلاش وجستجو چالیس برس بعد سہی منظرِ عام پر آ جائے۔ محولا بالا تحریر چونکہ ایک تعارفیہ ہے اس لئے میں نے تقابلی مطالعے سے گریز کیا ہے۔ مرثیے سے دلچسپی رکھنے والے اور انیس و دبیر کا تقابل کرنے والے محقق رزم نامۂ انیس اور رزم نامۂ دبیر سے یہ اقتباس پڑھ سکتے ہیں اور ان دونوں شاعروں کے مقام و مرتبے کا تعین بھی کر سکتے ہیں۔ حوالے کے لئے صرف پہلا بند پیش ہے:

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر اے ابرِ کرم خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلم رو سے نہ جائے

(انیس)

سرسبز ہو یارب سخن اس ہیچمداں کا ہر بیت پہ اِک قصر ملے باغ جناں کا
فوارہ چھٹے کوثرِ معنی و بیاں کا کلمہ پڑھے بلبل مری طوطیٔ زباں کا

ذکر اُس کے سخن کا ہے جو فخرِ فصحا ہے
خود آیۂ رحمت ہے سخن وحیِ خدا ہے

(دبیر)

مجھے قوی اُمید ہے کہ یہ دریافت انیس و دبیر کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے ایک نیا باب تحقیق و تنقید وا کرے گی اور مرثیے کے شائقین کو سیّد مسعود حسن رضوی کی سوچ اور جدتِ نظر کی داد بھی دینا پڑے گی۔

(۳)

مسعود حسن رضوی ادیب نے رزم نامۂ انیس اور رزم نامۂ دبیر کے تقابلی مطالعے کے سلسلے میں بند نمبر اور صفحات نمبر کی اپنے تجویز کردہ عنوانات کے تحت صرف نشاندہی کی تھی۔ میں نے دونوں کتابوں سے اُنہیں نقل کر کے ترتیب دے دیا ہے۔ بعض عنوانات کے تحت بند نمبر درست درج نہیں اور بعض جگہ صفحات کا اندراج صحیح نہیں ہے چنانچہ میں نے موضوعات کی مناسبت سے کئی جگہ ایسے بندوں کا انتخاب کر دیا ہے جو موضوع سے لگا بھی کھاتے ہیں اور موازنہ کی شرط کو بھی پورا کرتے ہیں مگر ایسے مقامات بہت ہی کم ہیں بہر حال ان کی نشاندہی ضروری ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

❖ شاعرانہ تعلّی

◆ انیس بند ۵_۷

۴۲۴_۴۲۵_۴۲۶

۵۳۳_۵۳۲_۵۳۱

۸۱۸_۸۱۷

۹۱۹_۹۱۸

❖ تفاخرِ شاعرانہ

◆ انیس بند ۷۳_۷۲_۶۷۱

۶۷۷_۶۷۵

۶۱۵_۶۱۴

❖ امام حسینؑ کا مدینے سے سفر

◆ انیس بند ۷۵_۷۴

❖ راستے میں گرمی کی شدت

◆ انیس بند ۱۶۰_۱۵۶

❖ اصحاب امامؑ کا دشمنوں کو پانی پلانا

◆ انیس بند ۱۸۴_۱۸۰

❖ کربلا میں ورُود

- انیس بند ۲۰۳_۲۰۴_۲۰۵

❖ فوجِ شام کا وُرود

- انیس بند ۲۳۵_۲۳۸

❖ رات کا منظر

- دبیر بند ۳۳۳_۳۳۶
۳۳۹_۳۳۸

❖ نمازِ صبح

- انیس بند ۳۳۲_۳۴۰

❖ اصحابِ امامؑ کی جلالتِ قدر

- انیس بند ۵۴۷

❖ فوجِ شام کا آگے بڑھنا اور جنگی باجے بجانا

- انیس بند ۴۳۹_۴۴۱

❖ امام حسینؑ کا خطبہ اور اتمامِ حُجت

- انیس بند ۴۴۲

❖ بچپن کے دوست حبیبؓ ابن مظاہر اسدی

- انیس بند ۵۴۶_۵۴۷

❖ نشان فوج حسینیؑ

◆ انیس بند ۳۶۷_۳۶۸

(۴)

جیسا کہ سید مسعود حسن رضوی ادیب کے خاکے میں درج ہے:

❖ تلوار کی تعریف

◆ انیس (نامکمل)

اسے مکمل کر دیا گیا ہے جو اس طرح سے ہے۔

◆ انیس بند ۱۱۶۵'۱۱۶۶'۱۱۶۷

◆ دبیر بند ۶۸۰'۶۸۱'۶۸۲'۶۸۳

(۵)

رزم نامۂ انیس و دبیر کا تقابل تکمیل تک پہنچانے کے لئے تین نئے عنوانات قائم کر کے اسے اختتام تک لے جایا گیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:

❖ امام عالی مقامؑ کی شہادت

◆ انیس بند ۱۲۲۹'۱۲۳۱

۱۲۳۳'۱۲۳۷'۱۲۳۸

◆ دبیر بند ۱۱۲۶'۱۱۲۲'۱۱۲۳'۱۱۲۴_۱۱۲۵

❖ بین

◆ انیس　　بند　۱۲۴۴۔۱۲۴۳،۱۲۴۲

◆ دبیر　　تین بند (یہ دبیر کے دیگر مرثیوں سے لئے گئے ہیں)

❖ دُعا

◆ انیس　　بند　۱۰۷۳۔۱۰۷۴

◆ دبیر　　دو بند (یہ دبیر کے دیگر مرثیوں سے لئے گئے ہیں)

(۶)

''رزم نامۂ انیس و دبیر۔تعارف و تقابل'' کے سلسلے میں اُردو کے معروف نقاد و محقق اور میرے عزیز ترین دوست ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن کی مشاورت قدم قدم پر شامل رہی ہے۔ میں ان کا شکرگزار ہوں اور پھر اس لئے بھی کہ اُنہوں نے مجھے اس کتاب کی اشاعت پر اُکسایا جو ان کی انیس و دبیر شناسی کی روشن مثال بھی ہے اور مرثیے سے ان کی دلچسپی کا مظہر بھی۔ میں سیّد نسیم حیدر شاہ کا بھی ممنون ہوں کہ جنہوں نے اس مسودے کی ترتیب و تیاری میں میری معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ کی عنایتِ خاص ہے کہ سید مسعود حسن رضوی ادیب کا یہ تیار کردہ تحقیقی کام چھپ کر اہلِ علم کے سامنے آیا۔ آخر میں میں اپنے محبت کرنے والے دوست اور مرثیہ کے ناقد و محقق ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کا دیباچہ لکھنے کا وعدہ کیا اور پھر اسے ایفا کیا اور اس دیباچے کی وجہ سے کتاب کی وقعت میں اور اضافہ ہوا۔ میں یہ کتاب اُردو کے معروف مرثیہ نگار سیّد وحید الحسن ہاشمی صاحب کے نام

ممنون کررہا ہوں کہ عصرِ حاضر میں وہی جدید مختصر مرثیے کے امام ہیں اور انہی کے دم قدم سے مرثیے کی روایت آج تر و تازہ ہے۔اس کتاب کو انجم رضوی صاحب نے بہت محبت کے ساتھ شائع کیا ہے، میں اُن کا شکر گزار ہوں۔

آپ اس کتاب کا مطالعہ کیجیے اور اپنی گراں قدر رائے سے ضرور نوازیئے۔

پروفیسر ڈاکٹر طاہر تونسوی
(پرنسپل)
ایس۔ای کالج، بہاول پور، پنجاب (پاکستان)

یکم جنوری ۲۰۰۶ء

❖❖❖

شاعر کی دُعا بارگاہِ خداوندی میں

میرانیس

یارب! چمنِ نظم کو گلزارِ اِرم کر　　　اے ابرِ کرم! خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دَم کر　　　گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پَرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سُخن میرے قلم رَو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری　　　بُلبُل کی زباں پر ہے تری شُکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری　　　پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گُل ہوں عنایت، چمنِ طبع نکو کو
بُلبُل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

غوّاصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی　　　ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی　　　عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا، نہ علاقہ ہو کسی سے
نذران کی یہ ہوں گے جنہیں رشتہ ہے نبیؐ سے

بھر دے ذرِ مقصود سے اس موجِ دہاں کو دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلّم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حُسنِ بیاں کو
تحسیں کا سماوات سے غُل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت وہ نمک ہو

مرزا دبیر

سرسبز ہو یارب سخن اس ہیچمداں کا ہر بیت پہ اک قصر ملے باغِ جناں کا
فوارہ چھٹے کوثرِ معنی و بیاں کا کلمہ پڑھے بلبل مری طوطیٔ زباں کا
ذکر اُس کے سخن کا ہے جو فخرِ فصحا ہے
خود آیۂ رحمت ہے سخن وحیٔ خدا ہے

—❖❖❖—

ممدوح کی تائیدِ دُعا کی مقبولیت

میر انیس

مقبول دُعا ہو گئی، غم دور ہوئے سب اُمید بر آئی مری، حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ کرمِ رَب ہوتے ہیں علمِ فوجِ مضامیں کے نشاں اَب
پُشتی پہ ہیں سب رُکنِ رکیں دینِ مبیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہ زمن کی بخشی ہے رضا جائزۂ فوجِ سُخن کی
چہرے کی بحالی سے قباچُست ہے تن کی لو برطرفی پڑ گئی مضمونِ کُہن کی
اِک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی، لشکر میں ہمارے

ہے لعل و گہر یہ دہن کانِ جواہر ہنگامِ سُخن کُھلتی ہے دکانِ جواہر
ہیں بند مرصّع، تو ورق خوانِ جواہر دیکھے انہیں، ہاں، ہے کوئی خواہان جواہر؟
بینائے رقوماتِ ہنر چاہیے اس کو
سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیے اس کو

مرزا دبیر

حامی جو سلیمانِ دو عالم نظر آئے　　مضمون جو عنقا تھے وہ پر جوڑ کر آئے

طاؤسِ تصور کی طرح دل میں دَر آئے　　شیشے میں پریزادِ معانی اُتر آئے

یاقوت بدخشاں سے دُر آتے ہیں عدن سے

لعل اُگلوں گا میں طوطیِ سدرہ کے دہن سے

——❖❖❖——

بے قدریِ سخن کی شکایت

میر انیس

کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سُخن اِک بار   ہر وقت جو اس جنس کے رہتے تھے طلب گار

اب ہے کوئی طالب نہ شناسا' نہ خریدار   ہے کون' دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار

کس وقت یہاں چھوڑ کے ملک عدم آئے

جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک' تو ہم آئے

خواہاں نہیں یاقوتِ سُخن کا کوئی گو آج   ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج!

اے باعثِ ایجادِ جہاں' خلق کے سرتاج!   ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج

اُمید اِسی گھر کی' وسیلہ اِسی گھر کا

دولت یہی میری' یہی توشہ ہے سفر کا

مرزا دبیر

آ' او مرے پلّے پہ اَب اے کُل کے مددگار   بے قدر ہے سنجیدگیِ گوہرِ شہسوار

جیسے کہ ترازو کا ہنر قحط میں بے کار   نے جنسِ عدالت' نہ خریدار نہ بازار

انصاف کہاں سے ہو کہ دل صاف نہیں ہے

دل صاف کہاں سے ہو کہ انصاف نہیں ہے

شاعرانہ تعلّی

میر انیس

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں　　قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرے کی چمک مہر منور سے ملا دوں　　خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گُل دستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے گر بزم　　خیبر کی خبر لائے مری طبع اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم　　دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائیں عدو آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری　　ناطقے بند ہیں سُن سُن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں، وہ رنگیں ہے عبارت میری　　شور جس کا ہے، وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیرؑ کی مداحی میں

ایک قطرے کو جو دوں بسط، تو قلزم کر دوں　　بحرِ مواجِ فصاحت کا تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں، ذروں کو انجم کر دوں　　گنگ کو ماہرِ اندازِ تکلم کر دوں
دردِ سر ہوتا ہے، بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

وہ مرقع ہو، کہ دیکھیں اُسے گر اہلِ شعور　　ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے، کہیں نور
غل ہو، یہ ہے کششِ مو قلم طُرّۂ حور　　صاف ہر رنگ سے ہو قدرتِ صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو بہ نایاب نظیریں سمجھے
نقشِ ارژنگ کو کاواک لکیریں سمجھے

اے شمعِ قلم! روشنی طور دکھا دے　　اے لوح! تجلّی رُخِ حور دکھا دے
اے بحرِ طبیعت! گہرِ نور دکھا دے　　اے شاہدِ معنی! رُخِ مستور دکھا دے
پُرنور مضامین کی وہ جلوہ گری ہو
خورشیدِ جہاں تاب چراغِ سحری ہو

اے طبعِ رسا! خلد کا گلزار دکھا دے　　اے باغِ سخن! گلشنِ بے خار دکھا دے
اے شمعِ زباں! لمعۂ انوار دکھا دے　　اے حُسنِ بیاں! خوبیِ گفتار دکھا دے
لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغِ زباں! آج تو کر کام قلم کا

مانی کو بھی حیرت ہو، وہ نقشا نظر آئے　　بہتا ہوا اِک نور کا دریا نظر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے　　انصارِ حسینؑ کا سراپا نظر آئے
مہتاب تو کیا ہے رُخِ خورشید بھی فق ہو
جو بند ہو، تصویرِ تجلّی کا ورق ہو

اے زخشِ خامہ! شوخی و جولاں گری دکھا　　اَے نطقِ سحرکار! زباں آوری دکھا
اے شہسوار فوجِ سخن! صفدری دکھا　　اَے زورِ طبع! دبدبۂ حیدری دکھا
سطریں بنیں ورق پہ صفیں کارزار کی
مصرع ہر اک دکھائے برش ذوالفقار کی

ہاں اے قلم! سروں کی جدائی دکھا مجھے　　خندق کی اور اُحد کی لڑائی دکھا مجھے
دریائے کشت وخوں کی ترائی دکھا مجھے　　شمشیر مصطفیٰؐ کی صفائی دکھا مجھے
دل شق کرے صریرِ قلم کارزار میں
غُل ہو کہ شیر گونج رہا ہے کچھار میں

جوہر کشائے تیغِ زباں ہے سُخن مرا　　گُل ہائے نظم سے ہے شگفتہ چمن مرا
یکتا گہر میں شعر، صدف ہے دہن مرا　　سب سے جدا ہے رنگ، نیا ہے چلن مرا
لطفِ بیان و حسنِ کلام آشکار ہے
یہ وہ چمن ہے، جس میں ہمیشہ بہار ہے

ذہنِ رسا کا عرشِ بریں پر دماغ ہے　　گُل کی طرح کھلا ہے جو سینے میں داغ ہے
روشن جو عمر بھر رہے، یہ وہ چراغ ہے　　باغِ جناں کو رشک ہو جس پر، وہ باغ ہے
یہ باغ نظم گلشنِ عالم میں فرد ہے
اِس جا نگارخانۂ مانی بھی گرد ہے

مرزا دبیر

مضمون نئے کرتا ہوں ایجاد ہمیشہ　　کہتا ہے سخن حضرتِ اُستاد ہمیشہ
کہنے میں ہے تائیدِ خداداد ہمیشہ　　بھولے سے بتا دوں تو رہے یاد ہمیشہ
بے لطفِ خدا یہ ہمدانی نہیں آتی
پر شمع صفت چرب زبانی نہیں آتی

میں بلبلِ خوش لہجۂ بستانِ سخن ہوں　　میں معرکہ میں رستمِ دستانِ سخن ہوں
میں وارثِ اورنگِ سلیمانِ سخن ہوں　　ایمانِ سخن، دینِ سخن، جانِ سخن ہوں
عاجز ہوں کہ بندہ ہوں پر اعجاز بیاں ہوں
سر تا بہ قدم ہیچ ہوں لیکن ہمداں ہوں

سحبان مرا طفل دبستانِ سخن ہے　　ثابت ہے کہ حسان ثنا خوانِ سخن ہے
آئندہ جسے کچھ سروسامانِ سخن ہے　　آئے، یہی گو ہے یہی میدانِ سخن ہے
کس طرز کی رونق ہے اس انداز کے آگے
جادو کہیں چل سکتا ہے اعجاز کے آگے

مداحیِ سلطانِ زمن ہم کو مُبارک　　جبریل کو وحی، اور یہ سخن ہم کو مبارک
رضواں کو بہشت اور یہ چمن ہم کو مُبارک　　موتی کو صدف اور یہ عدن ہم کو مبارک
شہرہ ہے یہ تائیدِ شہِؐ جن و ملک سے
مضموں مرا گھر پوچھتے آتے ہیں فلک سے

ہیں وقف ہمیشہ مرے الفاظ و معانی　　ہاں، قلزمِ شیریں کا سبھی پیتے ہیں پانی
ہر بحر میں ہے بحرِ طبیعت کی روانی　　تائیدِ سخن ہوتی ہے موجوں کی زبانی
ہر باغ ہے گلچیں مرے مضموں کے چمن کا
ہر بحر ہے قطرہ مرے دریائے سخن کا

—❖❖❖—

تفاخرِ شاعرانہ

میر انیس

یا شیرِ خدا! سیف دودم دیجئے مجھ کو　　یا شاہِ نجف! طبل و علم دیجئے مجھ کو
سر بر نہ ہو لشکر وہ حشم دیجئے مجھ کو　　میداں جو نہ چھوڑے، وہ قلم دیجئے مجھ کو
نیزے سپہِ شام کے ہٹتے نظر آئیں
سب فوج کے چہرے ابھی کٹتے نظر آئیں

تصویرِ پریشانیِ کفار دکھا دوں　　غیظ و غضبِ حیدرِ کرارؓ دکھا دوں
جعفرؓ کو ابھی جنگ پہ تیار دکھا دوں　　ہر بند پہ چلتی ہوئی تلوار دکھا دوں
رُخ سب قدر اندازوں کے پھرتے نظر آئیں
سرداروں کے سر خاک پہ گرتے نظر آئیں

ہے گوہرِ محیطِ فصاحت سُخن مرا　　گویا ہے موتیوں کا خزانہ دہن مرا
ہے مدحِ خوانیِ گُلِ زہرؑا چلن مرا　　محفوظ ہے جہاں میں خزاں سے چمن مرا
بُلبُل نے ایسے نغمۂ رنگیں سُنے نہیں
دامن میں ہیں وہ گُل جو کسی نے چُنے نہیں

هر جا ہے ملکِ نظم میں نظم و نسق مرا	کہتے ہیں انتظام جسے، ہے وہ حق مرا
ہے سہلِ ممتنع یہ کلامِ اَدق مرا	برسوں پڑھیں، تو یاد نہ ہووے سبق مرا
پائی نہیں کبھی یہ حلاوت نبات میں
مضمونِ نو ٹپک رہے ہیں بات بات میں

فوجِ سُخن میں شقہ کشا ہے علم مرا	بڑھتا ہے سب سے مدح میں بڑھ کر قدم مرا
ڈنکا بجے جہاں میں نہ کیوں دم بہ دم مرا	ہے معرکے میں رستمِ دستاں قلم مرا
نقشہ جو کھینچتا ہے صفِ کارزار کا
خامہ دکھا رہا ہے چلن ذوالفقار کا

مرزا دبیر

مداح کو اب تازگی مدح میں کد ہے	یا حضرت عباسِ علی وقت مدد ہے
مولا کی مدد سے جو سخن ہو وہ سَند ہے	اس نظم کا جو ہو نہ مقر اُس کو حسد ہے
حاسد سے صلہ بھی نہیں درکار ہے مجھ کو
سرکارِ حسینؑ سے سروکار ہے مجھ کو

گلزار ہے یہ نظم و بیاں بیشہ نہیں ہے	باغی کو بھی گلگشت میں اندیشہ نہیں ہے
ہر مصرع برجستہ ہے، پھل تیشہ نہیں ہے	یاں مغزِ سخن کا ہے رگ و ریشہ نہیں ہے
صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
خامے کی طرح ہاتھ میں ہے نبض سخن کی

گر کاہ ملے فائدہ کیا کوہ کنی سے　　میں کاہ کو گل کرتا ہوں رنگیں سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ عقیقِ یمنی سے　　یہ ساز ہے سوزِ غمِ شاہِ مدنی سے
آہن کو کروں نرم تو آئینہ بنا لوں
پتھر کو کروں گرم تو میں عطر نکالوں

خاقانی و فردوسی و سعدی و نظامی　　شاہوں کی عنایت سے ہوئے خلق میں نامی
عباس ہیں اس بندہ درگاہ کے حامی　　دینا ہے سخن لکھ کے مجھے خطِ غلامی
ہیں دو ہی دبیر اس میں نہیں ایک کو شک ہے
منبر مری جاگیر، مقام اس کا فلک ہے

—— ❖❖❖ ——

امام حسینؑ کا مدینے سے سفر

میر انیس

کنعانِ محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے خورشید لقا، زہرہ جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن، گوشہ نشینوں کا سفر ہے اک دن کا نہیں کوچ، مہینوں کا سفر ہے
گُل رو چمنِ دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

گردش ہے اور اب فاطمہ زہراؑ کا قمر ہے ایک ایک قدم راہ میں لُٹ جانے کا ڈر ہے
بستی ہے نہ رستے میں کسی جا، نہ شجر ہے درپیش ہے سختی کہ پہاڑوں کا سفر ہے
گرمی میں گرفتار محن ہوتے ہیں شبیرؑ
بچے لیے آوارہ وطن ہوتے ہیں شبیرؑ

مرزا دبیر

ساعت سفر کی نکلی ہے حضرت کے واسطے جس میں خزاں ہے باغِ رسالت کے واسطے
زندان ہے حسینؑ کی عترت کے واسطے ہاں نار سے رہائی ہے اُمت کے واسطے
یہ درد روح حضرت زہراؑ سے پوچھئے
زہراؑ کے بعد فاطمہ صغرا سے پوچھئے

تنہائی چھا رہی ہے مزارِ رسولؐ پر　　بے وارثی برستی ہے قبرِ بتولؑ پر
کنبے کا ہے ہجوم شہِؑ دل ملول پر　　جُھرمٹ ہے عندلیبوں کا زہراؑ کے پھول پر
آگے نبیؐ کے خلد میں زہراؑ تڑپتی ہے
یاں سامنے حسینؑ کے صغرا تڑپتی ہے

—❖❖❖—

امامؑ کی رخصت اپنی دخترِ بیمار صغریٰؑ سے

میر انیس

باتیں یہ ابھی تھیں، کہ شہِؑ بحر و بر آئے　　دیکھا رُخ ہمشیر کو اور اشک بہائے
ماں بیٹھی تھی صغراؑ کو جو چھاتی سے لگائے　　رُوتے ہوئے تشریف شہِ دیںؑ وہیں لائے
بیٹی شہ ذی جاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

شبیرؑ نے رو کر کہا، لو جاتے ہیں صغرا!　　جلد آتے ہیں خود، یا تمہیں بلواتے ہیں صغرا!
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغرا!　　جان اپنی نہ کھونا، تمہیں سمجھاتے ہیں صغرا!
قربان پدر، آب و غذا ترک نہ کیجو
بڑھ جائے گا آزار، دوا ترک نہ کیجو

مرزا دبیر

دامن پکڑ کے کہتی ہے بابا کب آؤ گے　　لے جاؤ گے ہمیں کہ یہیں چھوڑ جاؤ گے
بیمار کی خبر بھی کسی سے منگاؤ گے　　یا پیار میں سکینہؑ کے ہم کو بھلاؤ گے
بھیجو گے کس کو لینے کو میرے مدینے سے
یا ناامید ہی میں رہوں اپنے جینے سے

دیکھیں تو آپ حال تپش کے وفور کا　　لُو ہے دلِ کباب وحوش و طیور کا
نزدیک کا سفر ہے میں واری کہ دور کا　　کُل تیس دن کا ہے علی اصغرؑ حضور کا
اس سن کے بچے چین سے جھولے میں سوتے ہیں
یہ اک مہینے کے وطن آوارہ ہوتے ہیں

لکھ بھیجئے نہ دوستوں کو اپنے ہیں کہ غیر؟　　دشوار اِن دنوں ہے عراقِ عرب کی سیر
تونسے ہوئے تڑپتے ہیں جھیلوں میں وحش وطیر　　گرمی کے بعد آؤں گا میں زندگی بخیر
شاید مجھے بھی قیدِ مرض سے نجات ہو
پھر کوچ کیجئے تو یہ لونڈی بھی سات ہو

فرماتے ہیں حسینؑ توقف کی جا نہیں　　اس کوچ میں مقام کوئی عذر کا نہیں
بے درد وغم کے حُبِّ خدا کا مزا نہیں　　اس راہ میں بقا ہی بقا ہے فنا نہیں
اہلِ ادب سنبھل کے یہاں پاؤں دھرتے ہیں
یہ راہ وہ ہے سر سے جسے قطع کرتے ہیں

یہ راہ، انبیائے الوالعزم کم چلے　　لیکن خدا کے عاشق ثابت قدم چلے
اِک حضرت امیرؑ چلے، ایک ہم چلے　　سجدے میں سر نہ سر کے جو تیغِ ستم چلے
گزرے سو گزرے ہووے جو ہونا ہو ڈر نہیں
سودا خدا کے عشق کا ہے فکرِ سر نہیں

واللہ اعلم، آئیں گے اب یا نہ آئیں گے　　کس کو خبر ہے حد سے ہم آگے نہ جائیں گے
موقع ہوا تو بی بی کو اپنی بلائیں گے　　بے کربلا کے رتبۂ عالی نہ پائیں گے
مشتاقِ امتحان کا ربِّ غفور ہے
عاشور کو وہاں مرا ہونا ضرور ہے

سبطِ رسولؐ نے جو لیا نامِ کربلا چھائی بھرے محل پہ اُداسی ہر ایک جا
فریاد اُمّ سلمہؓ نے کی وا محمداً منہ دیکھ کر حسینؑ کا حسرت سے یہ کہا
کیوں واری کربلا یہ وہی ارضِ پاک ہے
شیشے میں جس زمینِ مقدس کی خاک ہے

شہؑ نے بھری اِک آہ، کہا، اماں جان، ہاں نانا سے اِس زمیں کا سنا ہووے گا بیاں
اماں یہ بے نشانوں کی قبروں کے ہیں نشاں صغریٰؑ پکاری ہائے نکل جاؤں میں کہاں
باتیں سفر کی رمز و کنایہ میں ہوتی ہیں
بابا تو ضبط کرتے ہیں اور نانی روتی ہیں

جبراً کیا تھا آپ کی فرقت کو اختیار پر اب کلامِ یاس سے لونڈی ہے بیقرار
کیا جانیں پھر ملیں نہ ملیں شاہِ نامدار اب میں ہوں اور بہنوں کے ناقوں کی ہے مہار
چلنا قبول کیجیے اس تلخ کام کا
صدقہ سکینہؑ بی بی کے کوچ اور مقام کا

بہنوں کو والدہ کو مبارک عماریاں معراج سمجھوں گی میں، بٹھا دو گے تم جہاں
تکیہ، عصا، بچھونا میں سب چھوڑ دوں گی یاں پھر اور کیا ہے کچھ نہیں مٹھی بھر استخواں
مشکل سفر کی کنبے پہ آسان ہوئے گی
بیمار، تندرستوں پہ قربان ہوئے گی

س التجا نے شاہؑ کی حالت تباہ کی آنکھوں کو ڈبڈبا کے حرم پر نگاہ کی
سب نے بیاں مریض سے تکلیفِ راہ کی آخر کہا، خوشی تمہیں لازم ہے شاہؑ کی
بہر خدا نہ چشم کو خوں ریز کیجیے
بی بی کو تپ ہے، کوچ سے پرہیز کیجیے

صغراؑ پکاری ہائے مقدر دوہائی ہے ۔۔۔ دنیا میں کیا مجھی کو انوکھی تپ آئی ہے
تپ ہے تو خیر، تپ کی دوا ہے ٹھنڈائی ہے ۔۔۔ ہے ہے مرے بخار کا درماں جدائی ہے
بیمار کی خبر نہیں ماں باپ لیتے ہیں؟
تپ آتی ہے تو بیٹیوں کو چھوڑ دیتے ہیں؟

اے لوگو! بے حواس نہ ہو تپ کے آنے سے ۔۔۔ تپ اس گھڑی تو آئی ہے بابا کے جانے سے
آنکھیں بھی دونوں لال ہیں آنسو بہانے سے ۔۔۔ منہ زرد ہو گیا ہے فقط ہول کھانے سے
رومال سے جو ماتھے کو باندھا تو کیا ہوا
سر پیٹنے سے درد سر اس دم سوا ہوا

تپ کی حرارت اور، قلق کا بخار اور ۔۔۔ وہ تھرتھرانا اور ہے، یہ اضطرار اور
وہ سانس چڑھنا اور، یہ دم کا شمار اور ۔۔۔ سر پھرنا اور گردشِ لیل و نہار اور
عیسیٰ کو میرے حال کی جلدی خبر کرو
دیکھا تھا چہرہ کل بھی اور اب بھی نظر کرو

کل بھی بھلا تڑپتے تھے ہم لو تمہیں کہو ۔۔۔ چلنے میں کانپتے تھے قدم، لو تمہیں کہو
کل بھی کمر تھی ضعف سے خم، لو تمہیں کہو ۔۔۔ رونے سے آنکھوں پر تھا ورم، لو تمہیں کہو
کپڑا بندھا تھا سر پہ رُخ ایسا ہی زرد تھا
کھاؤ تو میرے سر کی قسم کل یہ درد تھا

کیوں لوگو! شام کو بھی تھی میں مضمحل یونہیں ۔۔۔ دیکھو تو ہاتھ رکھ کے اُچھلتا تھا دل یونہیں
ناطاقتی سے آتے تھے غش متصل یونہیں ۔۔۔ کل بھی تھی اپنے آنسوؤں سے پا بگل یونہیں
کل خود اٹھی تھی باپ کی تعظیم کے لیے
اور آج اُٹھایا فضہؑ نے تسلیم کے لیے

وہ دن گئے کہ ضبط کا یارا تھا' اب کہاں　　بابا کی پرورش کا سہارا تھا اب کہاں
اماں کو بھی خیال ہمارا تھا اب کہاں　　آ گے کرم جو ہم پہ تمہارا تھا اب کہاں
کیونکر نہ زندگی سے ہو یہ ناتواں خفا
کنبہ خفا' نصیب خفا' باپ ماں خفا

(......یہ باتیں کرتے کرتے صغرا کی تپ زیادہ ہوگئی اور مایوس ہوکر اپنے بستر بیماری کی طرف چلی......)

پھر اشکِ یاس آنکھوں سے بے ساختہ ڈھلے　　اٹھی اِک آہ بھر کے کہا سب سے ہم چلے
جلتا ہے دل' اندھیرا ہے اب آنکھ کے تلے　　اس تپ میں بستر اپنا بھلا اور ہم بھلے
برگشتگی نصیب کی میرے عیاں ہوئی
کنبہ تو سب خفا ہوا' تپ مہرباں ہوئی

ناگاہ غل ہوا' درِ دولت پہ برملا　　ناقوں کی اور سمندوں کی آنے لگی صدا
کی عرض آ کے فضہؓ نے اسباب لد چکا　　نزدیک تھا کہ روح ہو بیمار کی جدا
پہلو میں دل تڑپنے لگا سینہ شق ہوا
دھک دھک کلیجہ کرنے لگا رنگ فق ہوا

——❖❖❖——

راستے میں گرمی کی شدت

میر انیس

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں! یہ دھوپ میں حدت تھی کہ جلتی تھیں نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے کا جو چاہیں اُٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سنولا گئے تھے چاند سے منہ سیم بروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

چہروں پہ جوانانِ علیؑ روکے تھے ڈھالیں لو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی بھالیں
گرمی سے وہ کیونکر نہ زبانوں کو نکالیں دھوپ اُن پہ، جنہیں سائے میں سیدانیاں پالیں!
اللہ ری تب و تاب بیابان بلا کی!
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا حدت سے ہوا کی!

مخفی تھے شرر شدتِ گرما سے حجر میں چلتی تھی یہ لو آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نے بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں جھیلوں میں نہ پانی تھا، نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سُوتیں بھی نہ آتی تھیں، کنوئیں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے   ناری تھی ہوا' سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے   دھڑکا تھا' کہ یہ لو کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہؑ کے عطش سے

تھا مہر کی شدت سے یہ حالِ شہِ ابرارؑ   ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق' سُرخ تھے رُخسار
تحمید میں جنباں تھے لبِ لعل گہر بار   بھر کر نفسِ سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
"اِک پھول بھی زہراؑ کے چمن میں نہ ملے گا
کیا ہو گا' جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا"

مرزا دبیر

لکھتے ہیں صاحبانِ تواریخ بیشتر   جس سال نامِ شہؑ پہ پڑا قرعۂ سفر
تھی اُس برس یہ شدتِ گرما کہ الحذر   مثلِ چنار آگ سے جلتا تھا ہر شجر
جائے غبار ریگ سے شعلے بلند تھے
مجمر زمینِ گرم' تو' ذرے سپند تھے

مثلِ تنور گرم تھا پانی میں ہر حباب   ہوتی تھیں سیخِ موج پہ مرغابیاں کباب
گلخن صدف تھے دانہ بریاں در خوش آب   آتش سے اپنی لعلِ بدخشاں تھا آب آب
یہ دھوپ تھی کہ دانے کا بچنا محال تھا
دانہ بچا بھی جلنے سے تو خال خال تھا

اس فصل میں تباہ نبیؐ کا سفینہ تھا   آوارہ کوہ دشت میں شاہِ مدینہؐ تھا
ذی الحج کا چاند شہؑ کو غضب کا مہینہ تھا   اصغرؑ کی زندگی کا نہ کوئی قرینہ تھا
منہ گل سا مثلِ غنچۂ تصویر خشک تھا
گرمی سے شیر بانوئے شبیرؑ خشک تھا

دو دو قدم پہ ہوتے تھے اطفال بے حواس   اِک پانی پانی کہتا تھا اور ایک پیاس پیاس
یوں قافلہ تھا گردِ علمدارِ حق شناس   جس طرح پیاسے حشر میں کوثر کے آس پاس
عباسؑ شانِ ساقیؑ کوثر دکھاتے تھے
رستے میں ساری فوج کو پانی پلاتے تھے

فرماتے تھے حسینؑ غضب کی طپش ہے ہائے   کیا ہو جو ایسی دھوپ میں پانی نہ ہاتھ آئے
کہتے تھے خیر خواہ نہ وہ دن خدا دکھائے   مولاؑ جواب دیتے تھے اللہ ہی بچائے
پانی ابھی تو منزلوں میں پیتے جاؤ گے
آئے گا اِک مقام کہ قطرہ نہ پاؤ گے

—❖❖❖—

اصحابِ امامؑ کا دشمنوں کو پانی پلانا

میر انیس

یہ سنتے ہی بے تاب ہوئے سبطِ پیمبرؑ   دیکھا رُخِ عباسؑ کو اشک آنکھوں میں بھر کر
فرمایا کہ "یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر   جو ساتھ ہے پانی، ابھی منگواؤ برادر!
بھیا! کمر اب کھولیو پیاس ان کی بجھا کے
میں کانپ رہا ہوں، کہ یہ بندے ہیں خدا کے"

یہ سُنتے ہی سقوں کو علم دار پکارے   "جو پانی ہے، لے آؤ وہ سب پاس ہمارے"
سقّے تھے جو سرکار کے، حاضر ہوئے سارے   مشکیزے بھی ناقوں سے بہ تعجیل اُتارے
ہاتھوں میں کٹورے رفقا شہؑ کے لیے تھے
سقوں نے پکھالوں کے دہن کھول دیئے تھے

مصروف ہوا خود پسرِ ساقی کوثرؑ   پیاسوں کو عطا ہونے لگے پانی کے ساغر
تقسیم اِدھر کرتے تھے عباسؑ دلاور   پیاسوں کو اُدھر دیتے تھے پانی علی اکبرؑ
ہر لب پہ سخائے شہِ والا کا بیاں تھا
دریائے کرم ساقیِ کوثرؑ کا رواں تھا

چلاتے تھے سقّے یہ کٹوروں کو بجا کر
"جو فوج میں پیاسا ہو وہ پانی پیے آ کر
یخ ہو گیا ہے آب ہوا دشت کی کھا کر
گرمی میں جگر سرد کرو پیاس بجھا کر
یہ مشک ہر اک چشمۂ شیریں سے بھری ہے
کوثر کا جو مالک ہے سبیل اُس نے دھری ہے"

جان آ گئی جس وقت بجھی تشنہ دہانی
گویا کہ ملا سوکھے ہوئے دھانوں کو پانی
وہ ہاتھ تھے یا آیۂ رحمت کی نشانی
صحرا میں ہوئی فیض کے دریا کی روانی
تھا شور کہ افراط ہے یاں آبِ بقا کی
جنگل میں ملے خضر یہ قدرت ہے خدا کی

مرزا دبیر

پھر کیا تھا خادمانِ شہ بحر و بر بڑھے
آنکھوں سے حکمِ شہ پہ مثالِ نظر بڑھے
جتنے تھے اہلِ خیر سوئے اہلِ شر بڑھے
لے لے کے طشت و جام اِدھر اور اُدھر بڑھے
مشکیں اُٹھا اُٹھا کے چلے پشت و دوش پر
اک دھوم تھی کہ فیض کا دریا ہے جوش پر

ابرِ کرم محیطِ سخا قلزم عطا
سقائے دخترِ خلف الصدقِ مصطفاؐ
حیدرؑ کا سبز پوش گلِ گلشنِ وفا
عباسؑ نامور اسد ضیغمِ خدا
تھا وہ جری جو مہتمم اس فیضِ عام کا
دھوکا تھا سب کو خضرؑ علیہ السلام کا

زینبؑ کے لاڈلے سندی گوہر نجف مسلمؑ کے لال، کشتۂ الماس کا خلف
ہم صورتِ رسولؐ خدا، معدنِ شرف پانی پلا رہے تھے برابر ہر اِک طرف
غل تھا یہ فیض، ہم شرفِ سلسبیل ہے
پیاسو پیو پیو کہ حسینیؑ سبیل ہے

رہوار اور سوار تھے گنتی میں اِک ہزار حاصل ہوا ہر ایک کو آرام اور قرار
پانی جو ڈگڈگا کے پیا تین تین بار جان آ گئی تنوں میں گیا حالِ احتضار
دشمن ترحمِ شہؑ والا سے بچ گئے
جتنے تھے، سیرِ چشمیِ مولا سے بچ گئے

ابن محاربی کا بیاں ہے یہ من وعن میں آخر سپاہ میں تھا موردِ محن
ہونٹوں پہ جانِ زار تھی اور خشک تھا دہن وہ دھوپ کی جلن تھی پھنکا جاتا تھا بدن
اُمیدِ زیست قطع تھی مرنے کی آس تھی
ہوتا تھا دم فنا یہ قیامت کی پیاس تھی

مجھ پر جو نورِ عینِ نبیؐ کی پڑی نظر بولے قریب آ کے امامِ جن و بشر
خواہش جو آبِ سرد کی ہو ناقے سے اُتر اُترا جو میں تو مشک عنایت ہوئی مگر
کھولا جو تھا دہانۂ مشک انتشار میں
دو ثلث آبِ سرد گرا اضطرار میں

اخلاق ابن ساقیِ کوثرؑ پہ میں فدا میں کیا، عطا کی مدح پہ شاہد ہے ہل اتیٰ
ایسے بھی رحمدل کہیں ہوتے ہیں واہ وا اللہ رے انکسارِ شہنشاہ دوسرا
مشکیزے کو درست کیا التفات سے
پانی پلایا آپ مجھے اپنے ہات سے

—— ❖❖❖ ——

کربلا میں وُرود

میر انیس

طے کر چکے حسینؑ جو راہِ صواب کو   مقتل نظر پڑا شۂِ گردوں رکاب کو
اُلفت جوواں کی خاک سے تھی اُس جناب کو   اِک عید ہو گئی خلفِ بوترابؑ کو
دل مثلِ غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاضِ خلد میں جانے کو مل گیا

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیںؑ ہوا   دشتِ بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جُھک گیا فلک کا، یہ اَوجِ زمیں ہوا   خورشید محوِ حُسنِ حُسینِؑ حَسیں ہوا
کوسوں ضیا تھی نیّرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا   مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا   بس اب نواں بہشت ہے بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جن سے عرش، وہ ذرّ نجف ملے

مرزا دبیر

ناگاہ صبح منزلِ آخر عیاں ہوئی لیکن یہ صبح سبطِ نبی کو کہاں ہوئی
جس جا سواری رُک کے نہ آگے رواں ہوئی حیراں سپاہ خسروِ کون و مکاں ہوئی
بدلے چھ گھوڑے دوش نبیؐ کے سوار نے
لیکن قدم اٹھایا نہ اِک راہوار نے

وہ رخش جن سے ہوش ہوا کے اڑا کریں گر اِک اشارہ خامسِ آلِ عبا کریں
طے شش جہت کی راہ وہ چھ باد پا کریں پڑ جائیں بیڑیاں جو قضا کی تو کیا کریں
حیرت سے گھوڑے تو سن تصویر بن گئے
نعلوں کے حلقے پاؤں کی زنجیر بن گئے

باشندوں کو وہاں کے یہ مولا نے دی صدا نام اس زمیں کے جتنے ہیں لو تم جدا جدا
وہ بولے آپ کو ہو مبارک ہر اک بلا یہ نینوا ہے، ماریہ ہے، اور کربلا
معبد ہے یہ کلیم کا مولد مسیح کا
شہؑ بولے اب یہ ہوئے گا مدفن ذبیح کا

......امام کا خیمہ نصب ہونا......

موسیٰؑ کو یاں شجر میں نظر آتی تھی ضیا جس روشنی نے نعرہ انا اللہ کا کیا
ہم زیرِ تیغ دیکھیں گے یاں نورِ کبریا عیسیٰؑ کو ماں نے غسلِ ولادت تھا یاں دیا
پر ہم نہ بعدِ قتل بھی یاں غسل پائیں گے
چہلم کو قبر باپ کی عابدؑ بنائیں گے

——❖❖❖——

امام کا خیمہ نصب ہونا

میر انیس

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نام ور
''خیمے کہاں بپا کریں یا شاہِ بحروبر!
ایذا ہے محملوں میں بہت اہلِ بیتؑ پر
بچے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے گھٹے ہوئے''

بولے زہیر قینؓ کہ ''حاضر ہیں سب غلام''
بڑھ کر ہوئے حبیبؓ بھی مصروف اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اِک طرف امام
رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
پرتو فگن تھا نور رسالت مآبؐ کا
سر پر لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

کھینچا فلک پہ خیمۂ زنگارگوں نے سر
روشن ہوئے کلس کی تجلّی سے دشت و در
تارِ شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر
پردہ حرم کا تھا کہ قناتیں اِدھر اُدھر
جنگل کا اوج ہو گیا خیمے کی شان سے
پلّہ زمیں کا اُٹھ کے ملا آسمان سے

تھا اُس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور — مُسکانِ عرش دیکھتے تھے فرش کو بہ غور
شمسے کا اوج اوج تھا، خیمے کا دَور دَور — گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا اور
سر جا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سُونا اُتر گیا ورقِ آفتاب کا

وہ دشت، اور وہ خیمۂ زنگارگوں کی شان — گویا زمین پہ نصب تھا اک تازہ آسمان
بے چوبۂ سپہر بریں جس کا سائبان — بیت العتیق، دیں کا مدینہ، جہاں کی جان
اللہ کے حبیب کے پیارے اسی میں تھے
سب عرش کبریا کے ستارے اسی میں تھے

تھا وہ سپہرِ دیں، تو ہر اک چوب رُکنِ دیں — چکر میں اُس کے دَور سے تھا چرخِ ہفتمیں
تھا دَر پہ بابِ گلشن فردوس کا یقیں — پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورعیں
جلوے سے حُسن روئے شہؑ کائنات کے
آئینہ ہائے نور تھے ثُقبے قنات کے

مرزا دبیر

نقارہ نوبتی نے بجایا مقام کا — یعنی یہاں سے کوچ ہے دارالسلام کا
خیمہ بپا ہوا جو شہؑ خاص و عام کا — بھیجا فلک نے دور سے تحفہ سلام کا
کھولا یہ پردہ خیمۂ شہؑ نے جہان پر
اِک عرش ہے زمین پر اِک آسمان پر

خیمہ تھا یا کہ تاجِ سرِ کربلا تھا وہ نکہت میں خُلد، اوج میں عرشِ علا تھا وہ
وسعت میں مثلِ دامنِ عفوِ خطا تھا وہ خاکِ شفا زمین تھی دارالشفا تھا وہ
خیمہ نہ کہئے آئے تھے شہؑ قتل ہونے کو
پلہ زمیں نے منہ پہ لیا تھا وہ رونے کو

اُونچا ہوا فلک سے بھی اوجِ خیامِ شاہؑ خیمے کے دو کلس نظر آتے تھے مہر و ماہ
خیمہ تھا یا قضا و قدر کی تھی بارگاہ فرش اُس کا عرش، حاجب و درباں، جلال و جاہ
زیبِ زمیں جو خیمۂ شبیرؑ ہو گئے
آپس میں عرش و فرش بغل گیر ہو گئے

تھا چشمِ ارض یا کہ وہ تھا خیمۂ حسینؑ پلکوں کی طرح گرد قناتیں بزیب و زین
اس آنکھ کو خدا نے دیا نورِ مشرقین پتلی تھا اس کی فاطمہ زہراؑ کا نورِ عین
بنیادِ کفر میں خلل اُس وقت پڑ گئے
ہر جا ستون دین کے میخوں سے گڑ گئے

دریا پہ جو خیمے ہوئے شاہِ شہداؑ کے اُترے حرمِ پاک امامِ دو سرا کے
پہنچے جو یہاں پیاس کی تکلیف اُٹھا کے جان آ گئی ٹھنڈے ہوئے دل نہر کو پا کے
سب کہتے تھے اس پیاس میں نعمت یہ ملی ہے
تکلیف وہ جھیلی ہے تو راحت یہ ملی ہے

کھاتے تھے ترائی کی ہوا شہؑ کے ہوا خواہ منہ دھوتا تھا دریا کے کنارے کوئی ذیجاہ
دل میں کسی یوسف کے وہاں سونے کی تھی چاہ حکم شہِؑ والا کی مگر دیکھتے تھے راہ
کہتی تھی اجل تیروں سے مشکیزہ چھنے گا
یاں مرقدِ عباسؑ علمدار بنے گا

جتنے تھے عزیز و رفقائے شہِ ابرارؑ کمھلا گئے تھے دھوپ سے سب کے گلِ رخسار
دامن سے ہوا دیتے تھے چہروں کو ہر اک بار پھر پھر کے لبِ نہر زباں پر تھی یہ گفتار
میدان ہے، سبزہ ہے، ترائی ہے، ہوا ہے
خیمہ تو بہت خوب جگہ نصب ہوا ہے

—❖❖❖—

فوجِ شام کا ورود

میر انیس

تھا فکر میں خموش دو عالم کا تاج دار کھلوا رہے تھے خیموں کو عباسؑ ذی وقار
ناگہ اُٹھا شمال کی جانب سے اِک غبار رایت سیاہ و سُرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے "کچھ رنگ اور ہے"
بولا کوئی "یہ شام کے لشکر کا طور ہے"

یہ ذکر تھا کہ بَن میں سیاہی سی چھا گئی ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
ایک ایک پیل زور و تہمتن شکوہ تھا
ابنِ رکابِ سبز قدم سرگروہ تھا

مرزا دبیر

ناگاہ نمایاں ہوئے کچھ دور سے اسوار سب ظلم پر آمادہ تھے، سب جور پہ تیار
تانے ہوئے نیزوں کو تو کھینچے ہوئے تلوار ہر ایک قدم بے اَدَبانہ تھی یہ گفتار
شبیرؑ نے خیمہ لب دریا جو کیا ہے
کس نے انہیں یاں حکم اُترنے کا دیا ہے

نے شمر سے پوچھا، نہ بن سعد سے پوچھا پھر حکم سے کس کے یہاں خیمے ہوئے برپا
کیا جانیئے کیا دل میں ہیں سمجھے شۂ والا حاکم سے عداوت کا بڑھانا نہیں اچھا
اس نہر پہ تل رکھنے کی بھی جا نہ ملے گی
اُتریں گی جو فوجیں تو زمیں یاں کی ہلے گی

ہم کو تو یہی حکم ہے حاکم کا ہمارے سب فوج فروکش ہو یہیں نہر کنارے
سیراب ہوں دریا سے جواں فوج کے سارے گرمی میں تلف ہو نہ کوئی پیاس کے مارے
وہ دھوپ کی شدت ہے زمیں شعلہ فشاں ہے
آرام ترائی کے سوا اور کہاں ہے

شبیرؑ کہاں ہیں اُنہیں یاں جلد بلاؤ کہدو لب دریا سے خیام اپنے ہٹاؤ
کہتا تھا یہی شمرِ لعیں خوف نہ کھاؤ ہاں قطع طنابیں کرو، خیموں کو گراؤ
جز صبر و رضا کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں شبیرؑ
ہم اُتریں گے اس جا نہیں رہ سکتے ہیں شبیرؑ

—❖❖❖—

عباسؑ کا غیظ

میر انیس

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم   نعرہ کیا اسد نے کہ "تم سے ہٹیں گے ہم؟
گر فوجِ قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم   گرتا ہے کٹ کے سرو ہیں، جس جا جمے قدم
بپھریں جو شیر، سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا   "بلوہ کنارِ نہر ہے اے بنت مرتضا
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا   قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو"

مرزا دبیر

یہ غل جو ہوا جمع ہوئے شاہ کے انصار   عباسؑ درِ خیمہ سے آگے بڑھے اِک بار
بھنتا تھا جگر غصہ سے اور سُرخ تھے رخسار   للکارے کہ او شمر خبردار، خبردار
تھم جا وہیں بڑھ کر جو اِدھر آئے گا ظالم
سر لوٹتا بالائے قدم پائے گا ظالم

اب آگے قدم بے اَدَبانہ نہ بڑھانا　　ورنہ تو ابھی ہو گا جہنم کو روانا
آگاہ ہے جرأت سے مری سارا زمانا　　کیا قہر ہے یوں رتبۂ سادات بھلانا
شاید تو نہیں جانتا عباسِؑ علی کو
سب سیفِ خدا کہتے ہیں دنیا میں مجھی کو

یہ تیز زبانی مرے آگے ارے بدخواہ　　کیا تیغِ علیؑ کی تو برش سے نہیں آگاہ
اِک ضرب میں یہ ایک کو دو کرتی ہے واللہ　　گمراہوں کو بتلاتی ہے دوزخ کی یہی راہ
بجلی کی طرح گر کے یہ سر پر نہیں رکتی
سر پر نہیں رُکتی، یہ سپر پر نہیں رکتی

تو کیا ہے فرشتے کا بھی تیرے نہیں مقدور　　سادات کے خیموں کو جو تیغوں سے کرے دور
آقا کی ہیں تسلیم و رضا سے تو ہوں مجبور　　ورنہ ابھی معلوم ہو او ظالم و مقہور
وہ قدرتِ حق صاف سرِ دستِ عیاں ہو
یہ تیغ مری، منہ میں ترے مثلِ زباں ہو

لیتا ہے حقارت سے نبیؐ زادے کا تو نام　　لکھے گا تجھے ناریوں میں خالقِ علّام
کونین سے افضل ہیں شہنشاہ خوش انجام　　پڑھتے ہیں درود اُن پہ ملائک سحر و شام
جن کے لئے بنیاد ہوئی ارض و سما کی
نام اُن کا حقارت سے تو لے، شان خدا کی

کب تو ہے مسلمان کر انصاف خدارا　　شبیرؑ تو اللہ و پیمبرؐ کا ہے پیارا
قندیلِ حرم عرشِ معلّٰی کا ستارا　　رہنا تجھے ان کا نہیں دریا پہ گوارا
مہماں ہیں، مسافر ہیں چلے جائیں گے شبیرؑ
اس نہر کو ہمراہ نہ لے جائیں گے شبیرؑ

خیمہ نہ سمجھ اس کو ارے عرش علا ہے یاں سجدۂ تعظیم بجا لا' تو بجا ہے
کعبے سے کہیں بڑھ کے شرف اِس کو ملا ہے یہ جائے درودِ حرمِ شیرِ خدا ہے
سب برجِ امامت کے ستارے ہیں اسی میں
پیغمبرؐ کونین کے پیارے ہیں اسی میں

حاکم کا ترے اذن نہیں شاہ کو درکار کونین کا خالق نے کیا ہے انہیں مختار
یہ نہر بھی ہے مہرِ بتولؑ جگر افگار کیا قہر ہوا' یاں اگر اُترے شہؑ ابرار
دریا پہ جو خیمہ شہؑ والا نے کیا ہے
اللہ نے فرزند کو حق ماں کا دیا ہے

جان و جگر احمدؐ مختار یہی ہیں جن و ملک و انس کے سردار یہی ہیں
اللہ کی سرکار کے مختار یہی ہیں واللہ دو عالم کے مددگار یہی ہیں
منظور اگر ہو خلف شاہِ نجف کو
کوثر اِسی صحرا میں بہے چار طرف کو

شبیرؑ سے ڈر' شیر ہیں یہ شیر خدا کے تو کیا ہے بھلا' شیر تو ہو سامنے آ کے
چاہیں تو ہلا دیں یہ طبق ارض و سما کے پر تابعِ فرماں ہیں یہ ربِّ دوسرا کے
ثابت ہیں قدم منزلِ تسلیم و رضا میں
سر ہاتھ پہ رکھے ہوئے ہیں راہِ خدا میں

ایذا جو انہیں دھوپ میں دی بے وطنی کی اِک دن بھی ضیافت نہ کی شاہِ مدنی کی
شربت تو کہاں حیف نہ شیریں سخنی کی پہلی ہی ملاقات میں خاطر شکنی کی
دریا سے مسافر کو اُٹھایا ہے کسی نے
مہمان بلا کر بھی ستایا ہے کسی نے

ہے خیمہ اٹھانے سے یہ مطلوبِ ستمگار بے آب خزاں ہو چمنِ احمدؐ مختار
کیا سمجھے ہیں شبیرؑ کو سب بیکس و ناچار ہمراہِ شہؑ دیں ہیں وہ سر افگن و جرار
یہ واقعہ بھی حشر تلک یاد رہے گا
دریا کے کنارے پہ لہو آج بہے گا

نازاں ہیں بہت لشکر بیحد پہ یہ خودسر باندھے ہیں کمر ظلم و شقاوت پہ ستمگر
روباہوں کو اس بات کا مطلق نہیں ہے ڈر کیا ہو جو ابھی غیظ میں آ جائے غضنفر
اُٹھیں گے بھلا یہ جو اُٹھانے پہ اڑے ہیں
گرمی کے ہیں دن شیر ترائی میں پڑے ہیں

—✤✤✤—

امام حسینؑ عباسؑ کو سمجھاتے ہیں

میر انیس

خیمے میں مضطرب تھی اِدھر خواہرِ امامؑ　　عباسؑ اُدھر غضب میں بڑھے سوئے فوجِ شام
کرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انامؑ　　"بھیا! ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر یہ ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا　　"کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی' یہ کیا یہ کیا
اب رکھ بھی دو یہ تیغ و سپر' تم پہ میں فدا　　دریا کو تم تو لے چکے' اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو' کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو کوئی تمہارے سوا ہے ترائی میں؟"

مرزا دبیر

یہ سُن کے بڑھے جانبِ خیمہ وہ جفا کار　　یاں دست بہ قبضہ ہوئے عباسؑ علمدار
حضرت کو خبر دی یہ کسی شخص نے اِک بار　　تشریف ذرا خیمہ سے لائیں شہؑ ابرار
اِس دم یورشِ لشکرِ بے پیر ہے مولا
عباسؑ سے اب نوبتِ شمشیر ہے مولا

خیمہ سے بہت جلد برآمد ہوئے سرورؑ　　سیدانیاں بھی در پہ چلی آئیں کھلے سر
حضرت نے صدا دی یہ علمدار کو بڑھ کر　　کیوں ان سے اُلجھتے ہو تم اے جانِ برادر
نے بحث کا ہے وقت نہ حجت کا محل ہے
نادان ہے یہ قوم نصیحت کا محل ہے

شہؑ آئے کہ رحمت کی گھٹا نہر پہ آئی　　عباسؑ سے فرمانے لگا حق کا فدائی
بیشک اسداللہ کے تم شیر ہو بھائی　　مرغوب بہت ہے تمہیں دریا کی ترائی
کم ظرف ہیں یہ اہلِ ستم اِن سے نہ اُلجھو
لو آؤ مرے سر کی قسم ان سے نہ اُلجھو

گر، یہ نہیں دریا پہ اُترنے کے روادار　　تم خیموں کو اُٹھوا لو عبث کرتے ہو تکرار
قسمت میں تو پانی نہیں اے مونس و غمخوار　　گر نہر نہ ہو پاس تو کیا ہم کو سروکار
جس بات میں ہو بحث، نہ ہم منہ سے کہیں گے
گر اُن کی خوشی یہ ہے تو پیاسے ہی رہیں گے

(امامِ مظلومؑ عباسؑ کے غصے کو فرو کرنے کے لیے دوسری باتوں کی طرف متوجہ کر رہے ہیں)

گھبرا رہے ہیں اہلِ حرم خیمے کے اندر　　دیکھو تو سکینہ نکل آئی نہ ہو باہر
تلوار کرو میان میں اے جانِ برادر　　غصہ نہ کرو جانے بھی دو اے مرے صفدر
بھائی وہ کرو کام جو اُمت کی رضا ہو
پوچھو تو کہاں خیمۂ سادات بپا ہو

عباسؑ نے اس حکم سے سر اپنا جھکایا　　اور شمر نے ریتی کی طرف. ہاتھ اٹھایا
شبیرؑ کے خیموں کا نشاں اُس نے بتایا　　حدّت میں وہ صحرائے قیامت نظر آیا

شہؑ نے وہ زمیں دیکھ کے افلاک کو دیکھا
خیمے کو اور آل شہِؑ لولاک کو دیکھا

ریتی پہ ہوئے نصب خیامِ شہِؑ والا   وہ دھوپ، وہ لو، وہ تپش موسمِ گرما
دو چار گھڑی میں یہ ہوا بچوں کا نقشا   منہ زرد، زباں خشک، کلیجہ تہ و بالا
اُٹھتے تھے تو غش کھا کے وہیں گرتے تھے بچے
ہاتھوں میں کٹوروں کو لیے پھرتے تھے بچے

——❖❖❖——

رات کا منظر

میر انیس

جب زلف کو کھولے ہوئے لیلائے شب آئی
پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریادِ کناں روحِ امیرِ عرب آئی
غُل تھا کہ شبِ قتلِ شہِ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غمِ جاں کاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں
تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا' کہ دہشت سے نہ جانیں کہیں جائیں
روتی تھی کوئی' اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

مرزا دبیر

مغرب سے نمایاں ہوئی' جس دم شبِ عاشور
کچھ صبحِ قیامت سے نہ تھی کم شبِ عاشور
دل خلق کا کرنے لگی برہم شبِ عاشور
زینبؑ کو ہوئی جامۂ ماتم شبِ عاشور
ظلمت کی ردا اس لئے ہر سمت پڑی تھی
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ مقتل میں کھڑی تھی

جس وقت پڑا سکہ شب سیم قمر پر　　پھر کوئی نہ راغب ہوا خورشید کے زر پر
مریخ کا خنجر جو چلا ترکِ سحر پر　　بن بن کے شفق خون چڑھا چرخ کے سر پر
کیواں علم ایواں فلک اور چاند نگیں تھا
آفاق سلیماں کی طرح زیر نگیں تھا

شب تھی کہ سیہ بختیٔ کفار ہر اِک سو　　چشم سیۂ قہر تھی یا ظلم کا گیسو
کجرو صفتِ نقش نگیں تھے جو وہ بدخو　　آخر کو ہوئے شب کی سیاہی سے سیہ رو
روشن ہے سیہ کار وہ سب فوجِ جفا تھی
معدوم ہوئے نام سیاہی جو سوا تھی

صد حیف کیا عدل زمانے نے فراموش　　دریا تو دیا ظالموں کو بہرِ خورونوش
شبیرؑ کے اطفال تھے یاں پیاس سے بیہوش　　دریائے رواں دامنِ شب سے ہوا روپوش
پیاسے جو تھے اطفال شہِؑ تشنہ گلو کے
تھی غم کی گرہ دل میں حبابِ لب جو کے

وہ شب کا اندھیرا وہ بیاباں کی سیاہی　　گرمی کی وہ پیاس اور وہ پانی کی مناہی
آباد وہ گھر اور وہ آثار تباہی　　یہ حادثہ اور آلِ نبیؐ شان الٰہی
گر فرش پہ سو جاتے تھے روتے ہوئے بچے
پھر پیاس سے چونک اُٹھتے تھے سوتے ہوئے بچے

سُن سُن کی صدا آتی تھی میدانِ بلا سے　　غش ہوتے تھے اطفال درندوں کی صدا سے
اور خیمے میں بجھنا وہ چراغوں کا ہوا سے　　پوچھے کوئی اس حادثے کو آلِ عباؑ سے
اِک ہاتھ سے ماں لیتی تھی اصغرؑ کی بلائیں
اِک ہاتھ رکھے سینے پہ دیتی تھی دعائیں

صبحِ عاشور کا منظر

میر انیس

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے، تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گُلوں سے قدرت اللہ کا ظہور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

اللہ ری خزاں کے دن اُس باغ کی بہار
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گُل عذار
دولہا بنے ہوئے تھے، اجل تھی گلوں کا ہار
جاگے وہ ساری رات کے، وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے، پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

مرزا دبیر

پیدا شعاعِ مہر کی مقراض جب ہوئی
پنہاں درازیِ پرِ طاؤسِ شب ہوئی
اور قطع زلفِ لیلیِٰ زہرہ لقب ہوئی
مجنوں صفت قبائے سحر چاک سب ہوئی
فکرِ رفو تھی چرخِ ہنرمند کے لیے
دن چار ٹکڑے ہو گیا پیوند کے لیے

تھی صبح یا فلک کا وہ جیب دریدہ تھا — یا چہرہ مسیحؑ کا رنگِ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا اشکِ چکیدہ تھا — یا فاطمہؑ کا نالۂ گردوں رسیدہ تھا
کہیے نہ مہر صبح کے سینے پہ داغ تھا
اُمیدِ اہلِ بیتؑ کا گھر بے چراغ تھا

گلگونۂ شفق جو ملا حورِ صبح نے — اسپند مشکِ شب کو کیا نورِ صبح نے
گرمی دکھائی روشنیِ طورِ صبح نے — ٹھنڈے چراغ کر دیئے کافورِ صبح نے
لیلائے شب کے حسن کی دولت جو لٹ گئی
افشاں جبینِ مہر درخشاں سے چھٹ گئی

بڑھ کر نقیبِ نور پکارا سحر سحر — تھی آسماں سے بارشِ رحمت شجر شجر
لوٹا سحر نے معدنِ شبنم گہر گہر — ذرّوں میں نورِ مہر در آیا قمر قمر
برقع جو اُٹھ گیا تھا رُخِ آفتاب کا
پردہ تھا فاشِ صبحِ ملمع نقاب کا

تازہ کیا نسیمِ سحر نے چمن کا رنگ — لالہ دکھا رہا تھا عقیقِ یمن کا رنگ
تھا موتیے کے پھولوں میں درِّ عدن کا رنگ — غنچے کی بو سے اُڑتا تھا مشکِ ختن کا رنگ
کھل کھل کے پھول نافے کی صورت مہکتے تھے
ذکرِ خدا میں مرغِ خوش الحاں چہکتے تھے

کہسار اوجِ نیّرِ قدرت سے دنگ تھے — بیٹھے ہوئے بساطِ عبادت پہ سنگ تھے
وارفتہ یادِ حق میں غزال و پلنگ تھے — کیا کیا شعاعِ مہر میں قدرت کے رنگ تھے
کوئی حباب سُرخ تو کوئی ہرا ہوا
پھولوں سے تھا فرات کا دامن بھرا ہوا

معبود سے تھے مرغِ سحر طالبِ فلاح   خوانِ کرم سے ملنے لگیں نعمتیں مباح
نعم الکریم وردِ زباں تھا علی الصباح   کہتے تھے ابر کوہ پہ یا مرسل الریاح
تسبیح خواں تھی بن میں یہ حالت ہوا کی تھی
لذت زبان خار پہ حمدِ خدا کی تھی

کانٹوں میں جو گھرا ہوا تھا مالکِ جناں   سر سبز باغِ دہر، ہوا مائلِ خزاں
تھے وقت صبح تیرہ و تاریک بوستاں   سبزہ تھا یا زمین کی آہوں کا تھا دھواں
شبنم تباہ ہو گئی غم میں جناب کے
خاکِ عزا سے بھر گئے ساغر گلاب کے

مرنے پہ مستعد تھے عزیزانِ باوقار   لکھا ہے رُخ پہ رنگِ شہادت کی تھی بہار
ہاتھوں میں سبحۂ مستعد ذکرِ کردگار   آتی تھی فاطمہؑ کی یہ آواز بار بار
اب روشنی تمام ہے ہر اِک چراغ کی
یہ آخری بہار ہے زہراؑ کے باغ کی

نمازِ صبح

میر انیس

خیمے سے نکلے شہؑ کے عزیزانِ خوش خصال — جن میں کئی تھے حضرت خیرالنسا کے لال
قاسمؑ سا گُل بدن، علی اکبرؑ سا خوش جمال — اک جا عقیلؑ و مسلمؑ و جعفرؑ کے نونہال
سب کے رُخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

باہم مکبروں کی صدائیں وہ دل پسند — کروبیانِ عرش تھے سب جن سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند — خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے، مہِ نو تھے رکوع میں

مرزا دبیر

مشتاق نماز ابنِ علیؑ، خیمے سے آیا — مہتاب نے سجادۂ مہتاب بچھایا
تسبیح ستاروں کی فلک نذر کو لایا — مولاؑ نے بھی اِک ایک نمازی کو بلایا
فرمایا غنیمت ہے جو کچھ طاعتِ رب ہو
لاشے پہ نماز اپنے خدا جانیئے کب ہو

کیا روسفید فوج خدا تھی حضورِ صبح	آئی تھی ان کے عقد شہادت میں حورِ صبح
رُخ سے طلوعِ مہر، جبیں سے ظہورِ صبح	اِک سمت ان کا نور تھا اک سمت نورِ صبح
سر سجدے میں بدن تھے قعود و قیام میں
کیا صبح کی بہار تھی فوجِ امام میں

........................فوج حسینی کی تصویر اصحاب امام کی نشانی........................

آواز اربکوا کی ملائک سناتے ہیں	غازی نماز پڑھ کے مصلے اٹھاتے ہیں
تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں	سجدے کو آستانۂ مولا پہ آتے ہیں
در پر دھرے جبین کو سب خوشخصال ہیں
اِک آسماں ہے اور بہتّر ہلال ہیں

مثلِ قمر یہ عابدِ شب زندہ دار ہیں	مانندِ مہر متقی روزگار ہیں
شکلِ فلک رکوع میں لیل و نہار میں	مثلِ زمیں سجود میں یہ خاکسار ہیں
سجدے سے ان کے خاک وظیفے میں رہتی ہے
تسبیحِ ان کے ہاتھ میں تکبیر کہتی ہے

دیکھو خشوع کو تو ہے لرزاں بدن تمام	پوچھو رجوعِ قلب تو دل ہے سوئے امام
واقف نہیں ریا سے کہ کس چیز کا ہے نام	جس کو نماز کہتے ہیں وہ یہ ہے والسلام
روشن ہے ان کا اوجِ عبادت جہان پر
سجادے ہیں زمیں پہ نماز آسمان پر

———❖❖❖———

اصحابِ امام کی جلالتِ قدر

میر انیس

حاضر اِدھر بھی ہیں درِ دولت پہ جاں نثار
اک سو بہتّر رہے ہیں رفیقانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار
بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار
شوقِ زیارتِ علمِ فوجِ شاہ ہے
ایک اِک کی جانبِ درِ دولت نگاہ ہے

وہ گورے گورے جسم، قبائیں وہ تنگ تنگ
جن کی صفا کو دیکھ کے ہے آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جرأت کا ہے یہ جوش کہ چہرے ہیں لالہ رنگ
کہتے ہیں سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں، تو اُلٹ دیں زمین کو

ایماں شہِ والا کی وِلا جانتے تھے وہ
مر جانے کو تو عین وفا جانتے تھے وہ
جینے کو ہوس، دَم کو ہوا، جانتے تھے وہ
فاقوں کے بیاں کو بھی گلا جانتے تھے وہ
کچھ فرق اطاعت میں وہ ناکام نہ لائے
پانی کا زبانوں پہ کبھی، نام نہ لائے

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی　　پروانۂ جاں باز بھی، شمع سحری بھی
ابرار بھی، دیں دار بھی، عصیاں سے بری بھی　　زاہد بھی، مجاہد بھی، نمازی بھی، جری بھی
طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

مرزا دبیر

بخت جوان پیر فلک ہر جوان ہے　　حلم ان کا ہے، مزاج صداقت زبان ہے
ہمت انہیں کے ہاتھ کا اِک استخوان ہے　　نورِ خدا بدن ہے حسینؑ اِن کی جان ہے
فردوس انکا خلق ہے، نار اِن کا خشم ہے
ایمان اِن کا دل ہے، حیا ان کی چشم ہے

کلمہ حسینؑ کی وہ محبت کا پڑھتے تھے　　کیا ذہن تھا لکھا ہوا قسمت کا پڑھتے تھے
میکائلؑ خطبہ ان کی فضیلت کا پڑھتے تھے　　جبریلؑ صیغہ ان سے اخوت کا پڑھتے تھے
وہ خاص جاں نثار امامِ انام تھے
حوریں خواص خاص تھیں، غلماں غلام تھے

فارغ نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ سے　　عصیاں سے یوں علیحدہ دن جیسے رات سے
مرنے سے شاد جیسے کہ دولہا برات سے　　دنیا سے یوں کنارے تھے جیسے فرات سے
کوثر سے یوں قریب تھے جیسے حسینؑ سے
دل آفتاب نورِ شہِ مشرقین سے

پڑتا تھا عکس عارض و خط کا جو بار بار　　اٹھتا تھا سرخ و سبز بیابان سے غبار
ان کی بہار دیکھنے کو آئی تھی بہار　　زہراؑ کی روح ہوتی تھی ایک ایک کے نثار
معمور دشت تھا، شہداء کی شمیم سے
بوئے بہشت آتی تھی موجِ نسیم سے

..........جواں مردی کے جوش میں ناصران ایمان کی گفتگو..........

کہتا تھا کوئی ذوقِ شہادت میں جھوم کر — اپنے تو ہاتھ میں ہے کفِ دست کی سپر
میداں میں روک لیں گے یو ہیں خنجر و تبر — ہاتھوں کے بعد ہوں گے سپر، سینہ و جگر
مظلوم کے رفیق ہیں غربت سے کام ہے
جرأت سے کام کیا ہے شہادت سے کام ہے

کوئی دلیر کہتا تھا چھڑنے تو دو وغا — تیر و کمان و ترکش و تیغ و سپر سے کیا
ہوش و حواس چاہئے لڑنے میں ہوں بجا — یہ قصد ہے جو ہو مددِ شاہِ لافتا
ہم تو سلاحِ جنگ نہ تن پر سنواریں گے
تیغیں اُنہیں کی چھینیں گے اور اُن کو ماریں گے

کہتا تھا تیغ تول کے اِک صاحبِ یقیں — یا آج فوج شام نہیں یا ہمیں نہیں
کہتا تھا دل بڑھانے کو یہ دوسرا وہیں — مردوں کی بس یہ بات ہے واللہ آفریں
نیت تو ہے بخیر اب انجام نیک ہو
پھر موت زندگی ہے اگر نام نیک ہو

بولا کوئی حسینؑ کی خدمت وہ کیجئے — رُتبے خدا سے بوذرؓ و سلماںؓ کے لیجئے
گھر بار جان و مال تصدق میں دیجئے — پیاسے ہی قتل ہو جئے، پانی نہ پیجئے
یہ فضل کبریا ہے جو حیدرؑ کے پاس ہوں
ورنہ کہیں بہشت میں قنبرؓ کے پاس ہوں

عمامہ رکھ کے ہاتھ پہ کرتا تھا اِک دُعا   یارب برائے تشنگیِ آلِ مصطفاؐ
وہ صبر دے کہ لب نہ کریں پیاس کا گلا   ہمت وہ دے کہ سرشۂ دیں پر کریں فدا
ہم ہوں رکابِ شاہ ہو جنت کی سیر ہو
دنیا بخیر ہو چکی، عقبےٰ بخیر ہو

بولا کوئی حق اپنی طرف ہے تو کیا ہے غم   یہ فوج ہے، یہ تیغ ہے، یہ رَن ہے اور یہ ہم
گر مر گئے شہید ہوئے مالکِ ارم   زندہ رہے تو یاور شاہنشہِ اُمم
لپٹے ہیں دامنِ شہؑ عالی نہاد سے
ہیں ہرطرح بھرے ہوئے دامن مراد سے

—❖❖❖—

جوانانِ ہاشمی اور عزیزانِ امامؑ کی شان

میر انیس

ہیں اِک طرف عزیزِ شہِ آسماں وقار ہے جن کی چاہ میں دل یوسفؑ بھی بے قرار
جاں باز، سرفروش، بہادر، وفا شعار ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گُل کھلا نہیں

خُلق و مروّتِ حسنیؑ ان پہ ختم ہے حُسن اِن پہ ختم، گُل بدنی ان پہ ختم ہے
زور اِن پہ ختم، تیغ زنی ان پہ ختم ہے ہر معرکے میں صف شکنی ان پہ ختم ہے
غازی ہیں، صف شکن ہیں، جری ہیں، دلیر ہیں
جس میں علیؑ رہے اُسی بیشے کے شیر ہیں

''شہرہ بہت تھا حُسن میں کنعاں کے ماہ کا قصہ سُنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا یوسفؑ ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم، کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں، تو دُنیا بہشت ہے

عباسِ نامور بھی عجب سج کا ہے جوان نازاں ہے جس کے دوشِ منور پہ خودنشان
حمزہؑ کا رُعب، صولتِ جعفرؑ، علیؑ کی شان ہاشمؑ کا دل، حسینؑ کا بازو، حسنؑ کی جان

کیونکر نہ عشق ہو شہِؑ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

اللہ اللہ اسدِ حق کے نواسوں کا جلال چاند سے چہروں پہ بل کھاتے ہوئے زلفوں کے بل
نیمچے کاندھوں پہ رکھے ہوئے مانند ہلال گرچہ بچپن تھا، پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال

صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو لپٹ جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلوں میں کماں دار بڑھے بولے شہؑ "یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے

اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں، سبقت مجھے منظور نہیں"

مرزا دبیر

ہمراہیوں میں حسن کا تھا اور ہی وقار پیدا کمر کے بندھنے سے گلدستہ کی بہار
اکبرؑ کے گرد وپیش جوانانِ گلعذار ان سے جو کچھ مسن تھے وہ عباسؑ پر نثار

ہر ایک ہالہ ماہِ بنی ہاشمی کا تھا
روشن رسالہ ماہِ بنی ہاشمی کا تھا

زینبؑ کے لعل درِ نجف غازی اور جری جن کو عقیل کہتے ہیں گلہائے جعفری
جوہر میں فرد معرکہ میں تیغِ حیدریؑ وہ منزلوں کا شوق وہ پہلی مسافری

پٹکے وہ چست چست کمر کے بندھے ہوئے
تعویذ بازوؤں پہ سفر کے بندھے ہوئے

لشکر میں ہے جو اکبرؑ و عباسؑ کا وقار — وہ انجمن میں شمع تو یہ باغ میں بہار
آنکھوں میں یہ نگاہ تو سینوں میں وہ قرار — وہ بازوؤں میں زور یہ قبضے میں ذوالفقار
ان دونوں کی یہ فوجِ خدا میں مثال ہے
دریا میں وہ گہر ہے یہ معدن میں لال ہے

وہ چشم میں پلک ہیں تو یہ دل ہیں سینے میں — حیدرؑ وہ کعبے میں، یہ پیمبرؐ مدینے میں
یوسفؑ وہ خطبہ میں یہ سکندر نگینے میں — آبِ بقا وہ چشمے میں یہ زر خزینے میں
وہ آب موتیوں میں یہ اِک گل ہزاروں میں
خوشبو وہ پھولوں میں، یہ تجلی ستاروں میں

والشمس سے مراد خدا ہیں رسولؐ رب — اس شمس کی شعاع ہے اکبرؑ کے رُخ میں سب
عباسؑ کا ہے ماہ بنی ہاشمی لقب — دو در ہیں ان کی مہر و عطا کے یہ روز و شب
ہر صبح و شام روئے خلائق پہ باز ہیں
ذرہ نواز وہ ہیں یہ اختر نواز ہیں

ہر صبح مہر و ماہ کی تو کم ہے روشنی — پر دیکھو ان کے عارضوں کی جلوہ افگنی
خورشید وہ جری ہے تو ہے چاند یہ غنی — اک سمت کو ہے دھوپ اور اک سمت چاندنی
پائی نہ ماہ نے وہ ضیا ماہتاب میں
دیکھی نہ آفتاب نے یہ دھوپ خواب میں

..........چچا بھتیجیوں میں باتیں جن سے شہزادیوں کے خیالات کا پتہ چلتا ہے..........

عباسؑ سے یہ کہتے ہیں اکبرؑ کہ کیوں چچا — کیا ہوگا، گرد خیموں کے ہے لشکرِ جفا
اماں کے پردے کی ہے مجھے فکر دائما — باندھیں گے اپنا مورچہ ہم واں دمِ وغا
خیمے سے فاصلہ نہ پدر سے جدائی ہو
یہ طور ہو اگر تو بخوبی لڑائی ہو

عباسؑ مدح کر کے یہ کہتے ہیں مرحبا　　زینبؑ کے پالنے کی یہ غیرت ہے میں فدا
وہ پوچھتے ہیں آپ کہیں! ہے ارادہ کیا　　یہ ہاتھ منہ پہ پھیر کے کہتے ہیں دیکھنا
جینے سے ہاتھ دھوتے ہیں مرد اپنی بات پر
اپنا تو آج مورچہ ہو گا فرات پر

............پسران زینبؑ کی شان............

باگیں پکڑ کے کہتے ہیں زینبؑ کے یادگار　　اک حملے میں سمند ہیں اپنے بھی پلے پار
ابنِ حسنؑ کے حسنِ بیاں سے ہے آشکار　　ازرق کا زرق برق مٹا دوں تو ہو قرار
دعوے ہیں آج حیدریوں کو بڑے بڑے
چاہیں تو غرب و شرق کو لے لیں کھڑے کھڑے

............مختصر سراپائے بنی ہاشم............

چہروں سے کیا ضیا و صفا آشکار ہے　　شہرِ حلب انہیں کا اِک آئینہ دار ہے
اک بندہ تارِ زلف کا ملکِ تتار ہے　　یہ باغ رُخ بہشت کی فصلِ بہار ہے
گلگوں قدوں کے چہرے ہیں کس آب و تاب کے
ہیں پھول کے درخت میں پھل آفتاب کے

رُخ چشمۂ حیات احبا کے واسطے　　خط لب کا ذوالفقار ہے اعدا کے واسطے
فیضِ دہانِ تنگ ہے دنیا کے واسطے　　یاں جائے دم زدن نہیں عیسا کے واسطے
ان کے شرف پہ عزم قسم کا کئے ہوئے
پھرتی ہے جلد ہاتھ میں قرآں لیے ہوئے

سمجھے ہیں نامرادی دُنیا کو یہ مراد غم ان کے دل میں شاد ہے دل ان کا غم میں شاد
رگ رگ میں دل کی طرح سے اللہ کی ہے یاد قرآن پڑھنا ختم ہے ان پر دمِ جہاد
بازوئے جنگ مثل ترازو تلے ہوئے
خود رحلِ زیں پہ گود میں قرآں لئے ہوئے

دیکھی جو شان لشکر فرزندِ مصطفےٰ شنجرف کو شفق نے سر دست حل کیا
فرماں قضا نے منشیٔ تقدیر کو دیا تحریر کر موافق ارشادِ کبریا
یہ آخری سپاہ حسینؑ کا اَوج ہے
تا ظہرؔ نے حسینؑ، نہ لشکر، نہ فوج ہے

لکھ دے ملازمان حسینؑ کا خط و خال حُرؓ تھا قصوروار، سو وہ بھی ہوا بحال
تنخواہ سب کی زخم اضافہ غم و ملال عہدہ جہاد، چھاؤنی سرکارِ ذوالجلال
دنیا میں سُرخ پوش ملازم حضورؐ کے
عقبیٰ میں حلے خلد کے اور قصر نور کے

تمغا ہے غازیوں کے لیے خوفِ ذوالجلال شکوہ حرام، فاقہ میں شکرِ خدا حلال
کوثر صلے میں تا بہ ابد، پیاس تا زوال قبض الوصول حور جناں کا خط وصال
بچوں کا عرف بسملِ تیغِ جہاد لکھ
ایک ایک نوجواں کا لقب نامراد لکھ

——— ❖❖❖ ———

یزیدی فوج میں جنگ کی تیاریاں

میر انیس

ہے لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہؑ ہر سو جما رہا ہے صفیں شمرِ روسیاہ
گیتی کو تہلکہ ہے، یہ ہے کثرتِ سپاہ ممکن نہیں کہ ہو گزرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد ہیں قتلِ شہؑ کائنات پر
طوفانِ آب تیغ اُٹھا ہے فرات پر

ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے چلاتے ہیں یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہراؑ کے لال کا

مرزا دبیر

تھے خرمنِ فلک پہ ابھی دانۂ نجوم بونے لگا جو تخمِ ستم ابنِ سعد شوم
غلے کے بانٹنے کی ندا دی علی العموم مانندِ مور دانہ زدوں نے کیا ہجوم
جس کا کہ باپ قاسمِ رزقِ زمانہ تھا
ہفتم سے کربلا میں وہ بے آب و دانہ تھا

رومال ظالموں نے زمیں پر بچھا دیئے	حصے عمر نے سب کو برابر لگا دیئے
بڑ افسرانِ فوج کو حصے سوا دیئے	اور سر بمہر صرہ زر بھی دکھا دیئے
لب کھولے حیلہ ور کے عداوت کے جوش نے
گندم نمائی آہ یوں کی جو فروش نے

ابن سعد اپنی فوج کو امام کے قتل کی ترغیب دیتا ہے

ہاں اے نمک حلالو نہ ہمت کو ہاریو	بھوکے کو بھوکا پیاسے کو پیاسا ہی ماریو
ابنِ معاویہ کی خلافت سنواریو	سیّد کے سر کو سینے پہ چڑھ کے اوتاریو
اب تو ہے غلّہ کل زر و جاگیر و مال ہے
شبیرؑ کو جو ذبح کرو سب حلال ہے

پھر غلّہ دے کے سب کو مخاطب ہوا عمر	کھالو کہ اب غذا نہ ملے گی کئی پہر
اس جنگ میں ہراس و تردّد ہے سربسر	ایماں کا نقص' جان کا خوف' آبرو کا ڈر
اُمت سے سامنا ہے امامِ جلیل کا
کاٹا ہے جس کے باپ نے پر جبرئیلؑ کا

ایک ایک ان میں خسروِ صاحب قراں ہے آج	بندہ حسینیوں کا ہے جو پہلواں ہے آج
ایک اِک علیؑ کی طرح شجاعِ جہاں ہے آج	شیروں میں ان کی جنگ کا سکہ رواں ہے آج
ہاں وقت ہے قریب' نہ کھانے میں دیر ہو
ان بھوکے پیاسے شیروں سے لڑنا ہے سیر ہو

بڑھ کر عمر سے کہنے لگے بانیِ ستم	اپنی تو یہ غذا ہے کہ بھوکے رہیں حرم
نوفل پکارا' سیر ہیں آب و غذا سے ہم	کھائی ہے آج قتلِ علمدار کی قسم
چلایا شمر ہم تو اُسی وقت کھائیں گے
جب تین دن کے پیاسے کا سر کاٹ لائیں گے

بولا عمر کہ بیٹھ، یہ باتیں روا نہیں　　دعوائے بے سند سے تجھے کچھ حیا نہیں
منہ کا نوالا شیروں کا سر کاٹنا نہیں　　رستم بھی بھوکا پیاسا کسی سے لڑا نہیں
اُترے نہ ہوتے تم جو لبِ نہر چین سے
پھر دیکھتا کہ لڑتے ہو کیونکر حسین سے

............پسر سعد فوج میں ہتھیار بانٹنے کا کام کررہا ہے............

یہ جو کہا عمر نے وہ چپکے چلے گئے　　بے عقل نقد دیں عوضِ جنس دے گئے
سیّد کے قصد ذبح پہ سب منچلے گئے　　اور یاں عمر کے اسپ عراقی کسے گئے
چیدہ کئے شقی نے سلح کارزار کے
خدام لائے چرخ سے تیغیں اُتار کے

پھر زہر کے بجھے ہوئے خنجر طلب کئے　　اپنے ملازموں پہ وہ تقسیم سب کئے
سامان میہمانیِ شاہِ عرب کئے　　ٹکڑے نبیؐ علیؑ کے جگر بے سبب کئے
مانگا شقی نے توسنِ زرّیں لجام کو
کھا پی کے فوج بھی ہوئی حاضر سلام کو

کثرت پہ فوج کی ہوا نازاں وہ خود پرست　　بولا کہ اپنی فتح ہے شبیرؑ کی شکست
پہلے کیا فرات کا ظالم نے بندوبست　　بٹھلائے دس ہزار جوانانِ تیز دست
دیوارِ آہنی لبِ دریا بلند کی
دریا نے بانگ ہائے حسیناؑ بلند کی

گھاٹوں کو روک کر یہ پکارا کہ ہاں سنو!　　بے آبرو وہ ہوگا نہ مانے گا حکم جو
پائیں نہ ایک قطرہ شہنشاہِ نیک خو　　میّت کے غسل کو نہ وضو کو نہ پینے کو
جانبر نہ تشنگی سے امامِ حجاز ہو
خشکی میں غرق نوحؑ حرم کا جہاز ہو

پھر سترہ ہزار جوانانِ نیزہ دار قوم اسد کے گھیرنے کو بھیجے ایک بار
یعنی بنی اسدؔ اسد اللہ پہ ہیں نثار ایسا نہ ہو کہ آئیں سوئے شاہِ بے دیار
اُن سے جدا حسین ہیں نے وہ حسین سے
ہم سیّدوں کو ذبح کریں رن میں چین سے

چیدہ کئے ہزار جوانانِ نا خلف اس عہد پر کیا انہیں منصوب ہر طرف
ساغر بکف رہیں وہ تنک ظرف صف بصف جب العطش کہیں درِ پاک شہِ نجف
پانی انہیں دکھا کے یہ بے آبرو بہائیں
اس پر بھی پانی مانگیں تو اُن کا لہو بہائیں

—⁂—

فوجِ شام کا آگے بڑھنا اور جنگی باجے بجانا

میر انیس

یک بیک طبل بجا، فوج میں گرجے بادل — کوہ تھرّائے، زمیں ہل گئی، گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے، تلواروں کے پھل — مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل
واں کے چاؤش بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوجِ اسلام میں نعرہ ہوا ''یا حیدرؔ'' کا

برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے — نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماں دار بڑھے — بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں''

مرزا دبیر

ناگاہ مثلِ موج بڑھی فوج بدشعار — کالے نشان کھولے ہوئے سب سیاہ کار
اک سمت کو سناں پہ سناں مثلِ شاخسار — اور اِک طرف سپر پہ سپر مثلِ لالہ زار
قرنا ہوئی پیادوں میں ڈنکا رسالوں میں
لعنت کا نقشِ مہر میں دوزخ قبالوں میں

آہنگ جنگ پر ہوئے آہنگ جا بجا　　بغدادیوں نے نغمہ قانوں کیے ادا
کی رومیوں نے بانگ نئے و چنگ برملا　　ناساز طبعِ شرع وہ ہر ساز کی صدا

صحرا کا سینہ شور دہل سے دہل گیا
میداں صدائے گرم جلا جل سے جَل گیا

—⁂—

امام حسینؑ کا خطبہ اور اتمامِ حُجّت

میر انیس

یہ سُخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
''اے سپاہِ عرب و روم و رے و کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حُجت کو تمام
پسرِ مصحفِ ناطق ہوں، سنو میرا کلام
سُخن حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو، تو موقوف کرو''

''مجھ کو لڑنا نہیں منظور، یہ کیا کرتے ہو؟
تیر جوڑے ہیں جو مجھ پر، تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو؟
دیکھو، اچھا نہیں یہ ظلم، بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقع ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

مرزا دبیر

وارث ہے انبیائے اولوالعزم کا حسینؑ
حجت ادا وہ جنگ میں کرتے تھے مثلِ دَین
ہے نورِ عینِ شیرِ خدا پر بھی فرضِ عین
اظہار امر و نہی خداوندِ مشرقین
لازم ہے پند و وعظ کہ دن ہے وفات کا
یہ جمعہ آخری ہے ہماری حیات کا

چُن لے سپاہ میں فصحائے عرب کو اب ہاں قاریانِ کعبہ کو بھی کر لے منتخب
تفسیر داں، حدیث شناس آئیں سب کے سب مہمان خشک لب سے سنیں لہجۂ عرب
میں کاشفِ علوم ہوں، خالق علیم ہے
داؤدؑ کی زباں ہے، بیانِ کلیمؑ ہے

پھر یہ خطاب قاریوں سے شاہؑ نے کیا قرآں کے حفظ کرنے میں ہو وقف دائما
پر حفظ آبروئے پیمبرؐ نہیں ذرا معنی کو چھوڑ کر ہوئے حرف آشنا تو کیا
مصحف ہے کیا، ولا شۂ بدر وحنین کی
ترتیل کیا ہے رتبہ شناسی حسینؑ کی

یٰسین میں ہے خطبۂ تعریفِ مصطفا ہے ہل اَتیٰ میں منقبتِ شاہِ لافتا
والفجر میں حسینؑ کا ہے ذکر جابجا نازل ہے آیہ آیہ مری شان میں جدا
والشفع مرتبے میں علیؑ و بتولؑ ہیں
والوتر میرے نانا محمدؐ رسول ہیں

والفجر صبح آج کی ہے اے گروہِ شام جس صبح کی حسینؑ نہیں دیکھنے کا شام
روشن ہے ترجمہ ولیالِ کا بھی تمام وہ ہیں یہی شبیں میں رہا جن میں تشنہ کام
ہاں نفس مطمئنہ حسینؑ شہید ہے
مضطر نہیں ہے گو کہ بلائے شدید ہے

میں ہوں امیرِ شش جہت و حاکم زمن مثل نبی ہوں کاشفِ ہر سرو ہر علن
مقصود چار دفتر معبود ذوالمنن ترکیب پنجسورہ، اسمائے پنجتنؑ
ایمان و شرع کا میں فروع و اصول ہوں
میں آیۂ و حدیث خدا و رسولؐ ہوں

قرآں میں قتل نفس کی حرمت ہے جابجا سیّد کا خوں حلال کہاں سے تمہیں ہوا
ہے نفسِ مصطفیٰ بخدا سبطِ مصطفا آخر جزائے "من قتل مومنا" ہے کیا
سیّد نہیں، امام نہیں، مقتدا نہیں
مومن بھی ہیں تمہارے عقیدے میں کیا نہیں

مقروض ہوں کسی کا میں تقصیر وار ہوں؟ پھر کیا سبب جو نرغے میں لیل و نہار ہوں
واجب ہے، مجھ پہ رحم کہ محزون وزار ہوں یارو عیال دار ہوں اور بے دیار ہوں
تم لوگ کچھ خدا و نبیؐ سے بھی ڈرتے ہو
کس کا کیا ہے خوں جو مجھے قتل کرتے ہو

میں نے کسی کے بیٹے پہ کی ہو اگر جفا بلوا کے میرے سامنے اکبرؑ کو دو سزا
ناحق مگر مٹاؤ نہ تصویرِ مصطفاً شرعاً جو بد کیا ہو تو یہ بھی سہی بھلا
انصاف اگر کرو تو ابھی قصہ پاک ہے
جس کا حساب پاک ہے، کیا اُس کو باک ہے

میں شہسوارِ دوشِ بشیر و نذیر ہوں مسند نشینِ تختِ جناب امیرؑ ہوں
مسکیں ہوں، فاقہ کش ہوں، غریب و فقیر ہوں بے مادر و پدر ہوں، یتیم و اسیر ہوں
کیوں منصفو! یہی کوئی مہماں سے کرتا ہے
سیّد پہ آج تیسرا فاقہ گزرتا ہے

بیجا اگر کہوں تو نہ مانو گلا نہیں مہماں یہودیوں کا بھی پیاسا رہا نہیں
ہو کر محمدیؐ تمہیں خوفِ خدا نہیں مجھ کو حیا ہے کہنے میں تم کو حیا نہیں
آب و طعام چین سے سب نوش کرتے ہیں
سادات آج تیسرے فاقے سے مرتے ہیں

ہو جاتی ہے بشر سے خطا اب بھی باز آؤ　　توبہ کرو خدا سے ڈرو مجھ سے ہاتھ اٹھاؤ
بالفرض مجھ سے بغض ہے بچوں پہ رحم کھاؤ　　جن کی غذا ہے دودھ انہیں پانی تو پلاؤ
جھولے میں چھ مہینے کا معصوم غش ہے آہ
فاقہ ہے فاقہ آہ عطش ہی عطش ہے آہ

طوبیٰ ہے جس کا میوہ وہ باغ عطا ہوں میں　　کوثر ہے جس کا قطرہ وہ بحرِ سخا ہوں میں
پیرو ہے جس کا قبلہ وہ قبلہ نما ہوں میں　　حاجی ہے جس کا کعبہ وہ بیتِ خدا ہوں میں
جس کا لقب دوا ہے میں وہ دردناک ہوں
جس کا اثر شفا ہے میں وہ خاکِ پاک ہوں

بابا مرا رسولؐ کا قائم مقام ہے　　نانا مرا رسول علیہ السلام ہے
کلمہ میں اور اذاں میں مرے جد کا نام ہے　　نامِ نبیؐ کے بعد علیؑ لاکلام ہے
ہاں وہ کہ جس پہ زہد و ورع کا ہے خاتمہ
ہے بعد ہر نماز کے تسبیحِ فاطمہؑ

او بولو! نام شرع مٹاتے ہو تم کہ ہم　　ایماں کا آفتاب چھپاتے ہو تم کہ ہم
کعبہ کو روزِ جمعہ گراتے ہو تم کہ ہم　　زہراؑ کو صبحِ عید رُلاتے ہو تم کہ ہم
عاجز نہ جانیو کہ قوی و دلیر ہوں
جو کبریا کا شیر ہے میں اُس کا شیر ہوں

ہر لفظ کے امام نے معنیٰ بتا دیئے　　دریائے علم خشک زباں سے بہا دیئے
نام اپنے مہر سے فصحا نے مٹا دیئے　　سر قاریوں نے شرم و حیا سے جھکا دیئے
پھر یک زباں یہ کہنے لگے سب پکار کے
حاکم کو نذر دیں گے ترا سر اُتار کے

—✥✥✥—

بچپن کے دوست حبیب ابن مظاہر اسدی

میر انیس

یکتا وہ حبیبوں میں حبیب ابن مظاہرؓ یکساں صفتِ مہر مبیں باطن و ظاہر
عصیاں سے بری، طیّب و پاکیزہ و طاہر جاں باز، جہاں دیدہ، فنِ جنگ کے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے، قد راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

اللہ ری وفائے رفقائے شہِ ذی جاہ دل سینوں میں لبریز ولائے شہِ ذی جاہ
سر دیتے تھے ہنس ہنس کے برائے شہِ ذی جاہ کرتے تھے سفر چوم کے پائے شہِ ذی جاہ
دُنیا کی نہ جانب تھیں، نہ دریا کی طرف تھیں
مرتے ہوئے آنکھیں شہِ والا کی طرف تھیں

مرزا دبیر

پیری میں جواں بخت حبیب ابن مظاہرؓ غازی، اسدی، نیک نصیب ابن مظاہرؓ
حیدر کے حبیبوں کے حبیب ابن مظاہرؓ بیچارہ و مظلوم و غریب ابن مظاہرؓ
سر دے کے یہ پیری میں سبکدوش ہوئے ہیں
بالوں کی سفیدی سے کفن پوش ہوئے ہیں

............بوڑھے مجاہد کی شان............

جس پیر کا اقبال ضعیفی میں جواں ہے حقا وہ حبیب شہِ فردوس مکاں ہے
ثابت قدم ایسا کوئی پیروں میں کہاں ہے ثابت قدمی پاؤں کی رعشہ میں عیاں ہے

سر ہلتا ہے پر ہر کفِ پارن میں جمی ہے
جنبش میں ہے لو شمع کو ثابت قدمی ہے

—❖❖❖—

نشانِ فوجِ حسینیؑ

میر انیس

گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گل عذار
مرفق تک آستینوں کو اُلٹے بصد وقار
جعفرؑ کا رُعب، دبدبۂ شیرِ کردگار
بوٹا سے اُن کے قد، پہ نمودار و نام دار
آنکھیں ملیں علَم سے پھریرے کو چوم کے
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

گہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانبِ علم
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
''کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا؟
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا؟

مرزا دبیر

پرچم ہے کس علم کا شعاع آفتاب کی
پانی ہے کس پھریرے سے ہمت سحاب کی
یہ شان ہے نشانِ رسالتمآب کی
چوبِ علم کلید ہے جنت کے باب کی
نقشہ علم کے پنجے میں اللہ کا ملا
بندوں کو اس نشاں سے نشانِ خدا ملا

حمزہؓ کے سر پہ سایہ فگن یہ ہُما رہا پھر دست بوس بازوئے خیرالوریٰ رہا
بعد اس کے دوشِ زیدؓ پہ جلوہ نما رہا جعفرؓ کے شانے پر یہ نشاں فتح کا رہا
کیا کیا جواں نبیؐ کے گھرانے سے اُٹھ گئے
اس کے اُٹھانے والے زمانے سے اُٹھ گئے

اب دیکھیے کسے یہ حسینؑ علم ملے کس خضرِ تشنہ لب کو یہ ابرِ کرم ملے
پردیس میں قبالۂ باغِ ارم ملے لکھنے کو فردِ بخششِ اُمت قلم ملے
کس کا یہ حق ہے معرکۂ کارزار میں
اک پاؤں سے کھڑا ہے علم انتظار میں

اُلفت کے جوش میں جو علم یاں لچک گیا واں وارث علم کا بھی شانہ پھڑک گیا
یاں مثلِ آفتاب جو پنجہ چمک گیا واں شعلہ اشتیاق کا دل میں بھڑک گیا
پائے گا اِس نشان کی کب چھاؤں دوسرا
حامل کے پاس آئے جو ہو پاؤں دوسرا

ہر چند سب پہ شاق ہے اُمید و انتظار پر تابعِ رضائے حسینؑ ہیں جاں نثار
زینبؑ کے یادگار علم کے ہیں ورثہ دار لیکن بڑا یہ کہتا ہے چھوٹے سے بار بار
بھائی! علم کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھیو
حضرتؑ کو اور علم کو برابر نہ دیکھیو

............کہلا بھیجتی ہیں کہ تم علم نہ طلب کرنا............

فضہؓ کو حکم دیتی ہیں زینبؑ کہ رن میں جا طالب کہیں علم کے نہ ہوں میرے دل رُبا
دادا ہے جعفرؓ ان کا تو نانا ہے مرتضاؑ کہیو رضا حسینؑ کی منصب سے ہے سوا
آقا کے جو شرف ہیں وہ معلوم ہیں تمھیں
مانگا علم تو دودھ نہ بخشوں گی میں تمھیں

کس دن کے واسطے طلبِ رلبتِ ظفر   داری بہت جیو گے جواب تم تو دوپہر
یہ دوپہر رُلائے گی زینبؑ کو عمر بھر   دنیا سے آج فوجِ حسینیؑ کا ہے سفر

گھر سے تمہیں حسینؑ کے صدقے کو لائی ہوں
میں بے نشان ہونے کو یثرب سے آئی ہوں

—❖❖❖—

منصبِ علمداری کا فیصلہ

میر انیس

بولی بہن کہ "آپ بھی تو لیں کسی کا نام ہے کس طرف توجۂ سردارِ خاص و عام
قرآں کے بعد ہے بھی تو ہے آپ کا کلام گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہ آسماں مقام
شوکت ہیں، قد میں، شان میں، ہمسر کوئی نہیں
عباسِ نامدار سے بہتر کوئی نہیں

دیتے تھے تہنیت جو عزیزانِ پر جگر عباس مسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر رُخ کی ضیا اِدھر تھی، علم کی چمک اُدھر
وہ آسماں حشم، تو یہ کیواں جناب ہیں
غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

مرزا دبیر

......علم کے متعلق مصحف فاطمہؑ سے تفاول......

مولا نے رفعِ دل شکنی کا تعب کیا بیت الشرف سے مصحف زہراؑ طلب کیا
آیا، تو سورہ فاتحہ کا وردِ لب کیا دیکھی جو فال بہر علم شکرِ رب کیا
بولے جو اپنی رائے تھی رایت کے باب میں
نکلا خدا کا حکم وہی اس کتاب میں

پھر تو ملازمانِ شہِؑ کربلا بڑھے ۔ پڑھنے کو سب عبادت حکمِ خدا بڑھے
مشتاق منصب علم مصطفاؐ بڑھے ۔ لیکن نہ بازوئے شہِؑ گلگوں قبا بڑھے
دونوں قدم زمینِ ادب میں گڑے رہے
سرخم کئے جہاں پہ کھڑے تھے کھڑے رہے

شہؑ لے کے ہاتھ میں علمِ شافع اُمم ۔ عباسؑ کی طرف کو بڑھے خود کئی قدم
فرمایا تم کو شرم تھی سو آپ آئے ہم ۔ لو بھائی لو خدا نے تمہیں کو دیا علم
حمزہؑ کی اِرث پائی ہمیں نذر دیجئے
ہاتھوں پہ رکھ کے سر، وہ پکارے کہ "لیجئے"

چھاتی سے سر لگا کے دعا دی امامؑ نے ۔ بخشا علم نشان رسولؐ انام نے
تسلیم کی حضور کو اُس نیک نام نے ۔ لے لے کے نذریں پنجتنی آئے سامنے
سیدھی جو چوب بازوئے شاہِ اُمم نے کی
خیمے میں یاں علم کی زیارت حرم نے کی

—— ❖ ❖ ❖ ——

پھر تو ملازمانِ شہؑ کربلا بڑھے   پڑھنے کو سب عبادت حکمِ خدا بڑھے
مشتاق منصبِ علم مصطفاً بڑھے   لیکن نہ بازوئے شہِؑ گلگوں قبا بڑھے
دونوں قدم زمینِ ادب میں گڑے رہے
سرخم کئے جہاں پہ کھڑے تھے کھڑے رہے

شہؑ لے کے ہاتھ میں علمِ شافعِ اُمم   عباسؑ کی طرف کو بڑھے خود کئی قدم
فرمایا تم کو شرم تھی سو آپ آئے ہم   لو بھائی لو خدا نے تمہیں کو دیا علَم
حمزہؑ کی ارث پائی ہمیں نذر دیجئے
ہاتھوں پہ رکھ کے سر، وہ پکارے کہ "لیجئے"

چھاتی سے سر لگا کے دعا دی امامؑ نے   بخشا علَم نشان رسولؐ انام نے
تسلیم کی حضور کو اُس نیک نام نے   لے لے کے نذریں پنجتنی آئے سامنے
سیدھی جو چوب بازوئے شاہِ اُمم نے کی
خیمے میں یاں علم کی زیارت حرم نے کی

—— ❖❖❖ ——

یاں روز اِک طلسم بنا اور بگڑ گیا　　یاں شب کی شب رہا جو مسافر اُجڑ گیا
یاں کل نہال تازہ جما آج اُکھڑ گیا　　نامِ خزاں کا سکہ زرِ گل پہ پڑ گیا
یاں دن نہ سن حساب کا کچھ ہیر پھیر ہے
ناقے کسے کھڑے ہیں سواری کی دیر ہے

ہر فردِ شوق نامۂ ہستی ہے یک قلم　　پیکِ اجل پکارتا ہے نامہ بر ہیں ہم
سرنامۂ جبیں پہ نشاں ٹھیک ہے رقم　　پہنچے مقام گور سے یہ خط سوئے عدم
گُل ایک ہفتہ باغ میں گل میہمان ہے
سبزہ گُلِ بہار کی رُخصت کا پان ہے

—— ❖❖❖ ——

حضرت زینبؑ کی اپنے بیٹوں سے ناراضی

میر انیس

منہ پھیر کے یہ کہنے لگیں شاہ کی ہمشیر ''غیرت کی ہے جا' غیر تو ہوں فدیۂ شبیرؑ
منہ پھیریں وہ مقتل سے' جو ہوں صاحب شمشیر شکوہ ہے مقدر کا' کچھ اِن کی نہیں تقصیر
انصاف تو کیجئے' مجھے کیونکر نہ گلا ہو
وہ پہلے نہ بے دم ہوں' لہو جن میں ملا ہو

زینبؑ نے کہا ''آپ اَلم ان کا نہ کیجئے طالب ہیں' تو بہتر ہے' اجازت انہیں دیجئے
قربان ہیں سب' بھانجے ہوں یا کہ بھتیجے گر دھیان ہے میرا' تو قسم رونے کی لیجئے
بیٹے بھی فدا آپ پہ ہیں' میں بھی فدا ہوں
دیر اتنی ہوئی کیوں' میں اسی پر تو خفا ہوں

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھانا دادا کی طرح جوہرِ شمشیر دکھانا
اجلالِ حسنؑ' شوکتِ شبیرؑ دکھانا تَن تَن کے یداللہ کی تصویر دکھانا
نیزوں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آنا
خیبر کی طرح کوفے کا دَر توڑ کے آنا

مرزا دبیر

گاہ بارگاہِ حسینؑ ہلی تمام دیکھا کہ خاص خیمے میں برپا ہے حشرِ عام
ضہؓ پکاری عونؑ و محمدؑ کا لے کے نام دوڑو خوزادو، میری خوزادی ہوئی تمام
غیرت کی کوفت دل سے نہ اُٹھی گزر گئیں
ایسے پسینے شرم سے آئے، کہ مر گئیں

فضہؓ کی بچوں سے گفتگو

لوار سے نہ مارا تو یوں مارا بے خطا اب ہاتھ جوڑ جوڑ کے یہ کہہ رہا ہے کیا
م نے طلب کیا کہ خود آیا یہ بے حیا مطلب غرض، مراد سبب، وجہِ مدعا
کاٹو زباں کہ پھر نہ کبھی ہمکلام ہو
ایک نیمچہ لگاؤ کہ قصہ تمام ہو

لثوم یاں کھڑی تھیں پس پردہ بے قرار اُن سے کہا دلیروں نے یہ ہو کے شرمسار
ں تو ہر ایک وقت ہیں بندے قصوروار پر اس گھڑی قصور نہیں اپنا زینہار
لعاں کے دل میں شک جو پڑا ہے نکال دو
دونوں کو اُن کے قدموں پہ لے جا کے ڈال دو

جناب زینبؑ کا غصہ میں بچوں کے پاس آنا اور غیظ کی بات چیت

وڑیں وفورِ طیش میں خود زینبؑ حزیں فرمایا میں تو آنے کو تھی ننگے سر وہیں
لیا مشورہ تھا شمر سے، وہ بولے کچھ نہیں فرمایا خوب لوگوں میں چرچا ہے پھر یونہیں
شمرِ لعیں نے صلح جو ٹھہرائی ہوئے گی
مرضی تمہاری تھوڑی بہت پائی ہوئے گی

ماموں سے اپنے پوچھ لیا تھا جواب دو　　زینبؑ نے تم کو اذن دیا تھا جواب دو
اکبرؑ سے اس کا ذکر کیا تھا جواب دو　　اس دن کو میرا دودھ پیا تھا جواب دو
اب سوچ ہے نجات جو دنیا سے پاؤں گی
جنت میں فاطمہؑ کو میں کیا منہ دکھاؤں گی

ہے ہے مجھے تو اور بھی وسواس اب ہوا　　شاید علم نہ ملنے کا تم کو تعب ہوا
عباسؑ کو ملا جو علمؑ کیا غضب ہوا　　گزرا جو ناگوار خلافِ ادب ہوا
آئے کوئی بلا نہ پدر کی کمائی پر
صدقے ہوئے تھے تم مرے عباسؑ بھائی پر

قدرت خدا کی اپنے بزرگوں کی آن بان　　تم میں بھی اب ہوئی یہ لیاقت خدا کی شان
منہ پر کبھی حضورؑ کبھی چھوٹے ماموں جان　　اور پیٹھ پیچھے ہائے غضب ہمسری کا دھیان
دونوں جہاں میں موردِ الزام کر دیا
تم نے ہمارے دودھ کو بدنام کر دیا

ماں کی خدمت میں بچوں کا مؤدبانہ جواب اور اپنی صفائی پیش کرنا

قبلہ کو ہاتھ اُٹھا کے پکارے وہ مہ لقا　　اماں بربِ کعبہ کہ خادم ہیں بے خطا
سُن لیجئے ہماری تو پھر ہو جیئے خفا　　جن کو حضور پائیں گی وہ ہوں گے بے وفا؟
چاروں ملک جو مالکِ تقدیر سے پھریں
ہم دونوں بھائی حضرتِ شبیرؑ سے پھریں

قرآں پہ ہاتھ رکھنے کو موجود ہیں غلام　　قرآں ہمارا کیا ہے، سرِ اقدسِ امامؑ
اکبرؑ سے پوچھ لیجئے نا اے فلک مقام　　کھل جائے جھوٹ سچ کی حقیقت ابھی تمام
خدمت علم کی سیف خدا نے جو پائی تھی
پہلے تو ان کو نذر ہمیں نے دکھائی تھی

ہ سُوکھتا ہے کہتے ہوئے چھوٹے ماموں جان　　غربت میں اُن کی جان کو اللہ کی امان
م خاکپا ہیں اُن سے بھلا ہمسری کا دھیان　　اُن سے نہ ضد' نہ ہٹ' نہ حمیت' نہ آن بان
وہ باپ کی جگہ ہیں' بجائے امام ہیں
وہ نائبِ حسینؑ' ہم اُن کے غلام ہیں

مر زباں دراز پہ تھا اختیار کیا　　کچھ یاد بھی نہیں کہ بَکا نابکار کیا
کاذب کے قول و فعل کا ہے اعتبار کیا　　ہم تو وہی ہیں' آپ کو پھر اضطرار کیا
ایسے دیئے جواب کہ نقشہ بگڑ گیا
جیتا زمیں میں صورتِ قاروں وہ گڑ گیا

ینبؑ پکاریں میں تو ہوئی سب میں سرنگوں　　ہے ہے ہر ایک رنج سے یہ رنج ہے فزوں
ک تیغ سے بہائے گا یہ پنجتنؑ کا خوں　　سر کھولوں' شیرِ حق کو پکاروں' دہائی دوں
اُلفت جو تھی حسینؑ علیہ الصلوٰۃ کی
کیوں تم نے میرے بھائی کے دشمن سے بات کی

—— ❖ ❖ ❖ ——

حضرت زینبؑ کا بیٹوں کو رخصت کرنا

میر انیس

''میلے نہ ہوں تیور، یہ سپاہی کے ہنر ہیں   جس کے ہیں بس اُس کے ہیں جدھر ہیں بس اُدھر ہیں
گہ عطر میں ڈوبے ہیں، گہے خون میں تر ہیں   صحبت میں مصاحب ہیں، لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جُھکیں گے، نہ جھکے ہیں
عزّت میں نہ فرق آئے، کہ سر بیچ چکے ہیں

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو   بچے اسداللہ کے ہو، جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنسو، چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو   کوفے کو تہِ تیغ کرو، شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغِ عرب کو
لو روم کو قبضے میں، تو قابو میں حلب کو

مرزا دبیر

پھر بیٹوں سے کہا کہ مبارک کرے خدا   اس عمر میں ملے گا شہادت کا مرتبہ
جنت سے تم کو لینے خود آئیں گے مصطفیٰؐ   دو جام بھر کے لائیں گے کوثر سے مرتضیٰؑ
تا زندگی رضائے خدا کی طلب رہے
دیکھو! نہ کوئی بات خلافِ ادب رہے

..........ماں کا بچوں کو موت سے مانوس کرنا..........

پوچھے درِ بہشت پہ گر خازنِ جناں　　تم کون ہو کہاں سے ہوا ہے گزر یہاں
ہاں افصح العرب کے نواسو! نثار ماں　　اُس دم کہیں نہ پیاس سے لکنت کرے زباں
کہنا کہ ہم شبیہِ پیمبرؐ کے بھائی ہیں
شبیرؑ کے غلام ہیں' اور کربلائی ہیں

—❖❖❖—

عونؑ و محمدؑ کا رجز

میر انیس

یہ فوج ہے کیا' آگ کا دریا ہو تو جھیلیں — کیا ڈر انہیں بچپن میں جو تلواروں سے کھیلیں
کوفہ تو ہے کیا' شام کو اور روم کو لے لیں — اُٹھیں صفتِ کاہ' اگر کوہ کو ریلیں
چاہیں' تو زمیں کے ابھی ساتوں طبق اُلٹیں
یوں اُلٹیں کہ جس طرح ہوا سے ورق اُلٹیں

فوجوں کی صفائی جو نہ دیکھی ہو' تو دیکھو — لشکر میں دہائی جو نہ دیکھی ہو' تو دیکھو
ہاں قلعہ کشائی جو نہ دیکھی ہو' تو دیکھو — بچوں کی لڑائی جو نہ دیکھی ہو' تو دیکھو
یہ منہ کبھی تیغوں سے پھرے ہیں' نہ پھریں گے
مرتے ہوئے دس بیس قدم بڑھ کے گریں گے

مرزا دبیر

ناگاہ باد پا ہوئے ساکن سرزمیں — دو زلزلے ٹھہر گئے' دو آندھیاں تھمیں
دیکھا خیالِ شمر میں سوئے سپاہِ کیں — سب نے کہا وہ غش میں پڑا ہوئے گا کہیں
فرمایا ہاتھ چہرۂ اقدس پہ پھیر کے
گر' وہ نہیں تو فوج کو ماریں گے گھیر کے

ہے شمر کس شمار میں مارا اگر تو کیا تاجِ زری عمر کا اُتارا اگر تو کیا
چھینا فرات کا بھی کنارا اگر تو کیا سب انس وجن ہوں معرکہ آرا اگر تو کیا
کیا تختِ سلطنت ہے امیر پلید کا
دل پر رکھیں تو ملک اُلٹ دیں یزید کا

مشہور ہے خلیل نے کعبہ بنایا ہے کعبہ کو ہم نے قبلۂ دُنیا بنایا ہے
دُنیا کو ہم نے مزرعِ عقبا بنایا ہے عقبیٰ کو عیش گاہ احبا بنایا ہے
قرآن تو ہر ایک مسلمان پڑھتا ہے
کلمہ ہماری مدح کا قرآن پڑھتا ہے

جبریل کو عناں شب معراج دیتے ہیں شاہوں سے باج لیتے ہیں اور تاج دیتے ہیں
عالم میں ایسے کل کی خبر آج دیتے ہیں زر کیا ہے جان ہم پے محتاج دیتے ہیں
حور و ملک جلو میں ہمارے بہم پھرے
نعلین پہنے عرش معلّٰی پہ ہم پھرے

نانا کا نام بعد نبیؐ کلمے میں جواز تسبیح نانی جان کی ہے بعد ہر نماز
دادی ہماری بنت اسد عمدۃ الحجاز جدِّ بزرگ بال زبر جد سے سرفراز
نانا کا نام لے کے محبّ رن پہ چڑھتے ہیں
مومن نمازِ جعفرِ طیار پڑھتے ہیں

—— ❖❖❖ ——

بیٹوں کی لاش پر حضرت زینبؑ کے تاثرات

میر انیس

عباسِ علم دار ثنا کرتے ہیں' اُٹھو
تعریف امام دوسرا کرتے ہیں' اُٹھو
سب لوگ نہ اُٹھنے کا گلا کرتے ہیں' اُٹھو
ہم شکل نبی مدحِ وفا کرتے ہیں' اُٹھو
آقا سے مصیبت میں جُدا ہو نہیں جاتے
صدقے گئی' یوں جنگ کے دن سو نہیں جاتے

جیتی ہوں' یہ قسمت کا مری پھیر ہے' پیارو!
اب زیست سے ماں کا بھی دل سیر ہے پیارو!
کیا جانے مری موت میں کیا دیر ہے' پیارو!
تم مر گئے' دُنیا مجھے اندھیر ہے پیارو!
ہے کون سی دولت جسے کھونے کو رہی ہوں؟
معلوم نہیں اب کسے رُونے کو رہی ہوں''

مرزا دبیر

آتے ہی لاشے محشر آہ و بکا اُٹھا
اتنے میں پردۂ درِ ماتم سرا اُٹھا
سجدے سے سر نہ زینبؑ ناشاد کا اُٹھا
بکھرائے بال مجمع اہل عزا اُٹھا
غش ان کو جانماز بتولؑ حزیں پہ تھا
تسبیح ہاتھ میں سرِ سجدہ زمیں پہ تھا

شانہ ہلا کے فضہؒ نے زینبؑ کو دی صدا   لو سر اُٹھاؤ شکر کا سجدہ کرو ادا
پوچھا کنیز زادے ہوئے شاہ پر فدا؟   اس نے کہا ثوابِ عزا تم کو دے خدا
تیر و سناں سے صدر و جگر ہیں چھنے ہوئے
دو مسندوں پہ لیٹے ہیں دولھا بنے ہوئے

بچپن کی موت کا ہے پسینہ جبین پر   یٰسین کا ہے خاتمہ دو اک مبین پر
شانوں سے بہہ رہا ہے لہو آستین پر   اس آس پر رگڑتے ہیں ماتھا زمین پر
کہدو کہ حق ادا ہوا ان حق شناسوں سے
راضی ہوئی ہیں شاہِ نجف کے نواسوں سے

سننا تھا یہ کہ شکر کے سجدے ادا کیے   اٹھی شہید بیٹوں کی تعظیم کے لیے
لے کر بلائیں تلووں پہ بوسے کئی دیئے   چلائی بالمشافہہ ارشاد کیجیے
نامنصفی نہیں ہے مرے خاندان میں
راضی جناں میں فاطمہؑ ہیں، میں جہان میں

—❖❖❖—

قاسمؑ کا سراپا

میر انیس

مشتاقِ اذنِ جنگ ہے قاسم سا سیم بر   روشن ہیں جس کے چہرۂ انور سے دشت ودر
کم سن اگرچہ ہے ابھی وہ غیرتِ قمر   تن تن کے جھومتا ہے مگر مثلِ شیر نر
جرأت نثار ہوتی ہے اس سرفروش پر
شملہ چھٹا ہے سبز عمامے کا دوش پر

وہ باغِ عمرِ قاسمِ نوشاہ کی بہار!   سنبل سی زلفیں، سرو سا قد، پھول سے عذار
آنکھیں وہ، جن پہ کیجیے نرگس کو بھی نثار   نازک لب اس قدر رنگِ گُل جن کے آگے خار
گیسو ہلے ہوا سے، تو جنگل مہک گئے
جب ہنس کے بات کی، تو ستارے چمک گئے

مرزا دبیر

یہ روئے پاک دفتر قدرت میں فرد ہے   اس کے قریب رتبۂ خورشید گرد ہے
اور رنگ آفتاب خجالت سے زرد ہے   یوسفؑ کے حسن کا یہاں بازار سرد ہے
یہ نور تھا ازل سے جو اُن کی نگاہ میں
یوسف گرے حیا کے سبب جا کے چاہ میں

وصفِ دہانِ تنگ میں عقلِ رسا ہے دنگ — بوگل کی، شکل غنچے کی، لالہ کا سرخ رنگ
یاقوت و لعل لب کے قریں ذرّہ ہائے سنگ — کہیئے جو کوثر اس میں ہے چاہِ ذقن کا تنگ
کیا میں کہوں جو چاہِ ذقن کے صفات ہیں
لب ہیں کہ موجِ چشمۂ آبِ حیات ہیں

تیرہ برس کا سن ہے مہِ چاردہ کا نور — اُن کی نہ خاکِ پا، نہ ہماری نگہ کا نور
سبزہ نمود عارضوں میں مہر و مہ کا نور — دھوپ اوس بن گئی یہ بڑھا رزم گہ کا نور
باہر کی زیب، گھر کا اُجالا، وطن کا چاند
مہرِ رُخِ حسینؑ کا ہالا، حسنؑ کا چاند

چہرہ تھا بدر، اختر تابندہ خال تھا — رتبے میں وہ رسولؐ یہ گویا بلالؓ تھا
بھونچک بھوؤں سے دیدہ صاحب کمال تھا — ابرو کا بال بال بعینہٖ ہلال تھا
غصے سے جب شکن ہوئی پیدا جبین پر
اِک اور ماہِ نو ہوا ظاہر زمین پر

رُخ تھا جلال و قہرِ خدا اُس دلیر کا — آنکھیں غزال کعبہ، مگر رعب شیر کا
جس سے پھریں ظہور ہو قسمت کے پھیر کا — جنبش نگہ کی جلد کرے کام دیر کا
پلکیں شعاعِ مہر تھیں اُس رشکِ ماہ کی
پَر گیریاں تھیں لیس خدنگ نگاہ کی

دانتوں سے اور ہونٹوں سے تھا منکشف یہ حال — اُگلے ہیں ہیرا کھا کے جنابِ حسنؑ نے لال
دیکھیں مسیں نمود، تو آیا یہی خیال — شبرؑ کے ہونٹ سبز تھے ہنگامِ انتقال
چوما ہے منہ جو نزع میں اس خوش کلام کا
چھوٹا ہے رنگ اُن کے لب سبز فام کا

رنگت کی جا بھری تھی گل رو میں نازکی
تلتی تھی ابروں کی ترازو میں نازکی

دکھلا رہی تھی بل خم گیسو میں نازکی
نافہ میں مشک، مشک میں بو، بو میں نازکی

باغوں کی جان پھول ہیں، پھولوں کی جان عطر
ان کا پسینہ عطر تھا، خود یہ جوان عطر

—❖❖❖—

قاسمؑ اور ازرق شامی کی جنگ

میر انیس

قاسم نے دی صدا کہ "بس اب کر زباں کو بند — اللہ کو غرور و تکبر نہیں پسند
حق نے فروتنی سے کیا مجھ کو سربلند — نیزے کا بند باندھ کوئی، چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی، کہ زبردست کون ہے"

نیزہ ہلا کے جانب قاسم بڑھا وہ یل — دولہا نے مسکرا کے صدا دی "سنبھل سنبھل"
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کا بھل — تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بیشۂ اسد ذوالجلال کے
کیجو سناں کا دار ذرا دیکھ بھال کے"

بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن — رُخ پھیریو نہ، او ستم ایجاد پیل تن!"
چلائے بڑھ کے حضرت عباسِ صف شکن — "کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کو، شان کو؟
کیوں منہ اُتر گیا ہے، چڑھا لے کمان کو"

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد تھا حرب وضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد کہتا تھا بازوئے شہِ دیں ''یا علیؑ مدد''
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

عباسِ نامدار تو رن سے چلے اُدھر یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دیں خبر
اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر یاں اُس بنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہو گئے
حربے ہزارہا جو چلے' چور ہو گئے

کیونکر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے ایک اک لڑا نہ آہ! بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثلِ امیرِ عرب لڑے جاں بازیاں ستم کی دکھائیں' غضب لڑے
جلوہ میان تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑ کے زورِ جوانی دکھا دیا

مرزا دبیر

ملعوں نے باندھی چست کمر کارزار پر آراستہ سلاح کیے تن پہ سر بسر
چار آئینہ وہ' صاف کدورت کا جس میں گھر تھا دل کو پیچ و تاب زرہ سے زیادہ تر
سینہ وہ ڈھال عیب جسے سب حصول تھے
بیٹوں کے چار داغ وہاں چار پھول تھے

جا کر حضور ابنِ حسنؑ اس نے دی ندا ازرق مرا خطاب ہے مشہور جابجا
اے طفل جنگجو' ترا نام و نسب ہے کیا فرمایا نام قابضِ ارواح ہے مرا
ہنگامۂ حیات کو اب فوت جانیو
اپنے لیے مجھے ملک الموت جانیو

یہ کہہ کے اس لئیمِ ازل پر کیا جو وار ۔۔۔ اَبرو کی ''ب'' کو دو کیا' دالِ دہن کو چار
اللہ رے آتشِ دمِ شمشیر شعلہ بار ۔۔۔ ازرق کی تیغ پر جو پڑا عکس ایک بار
مثلِ سپند جوہرِ شمشیر اُڑ گئے
رن کی زمیں سے اخترِ سیارہ مُڑ گئے

کیا کاٹنے میں آب دمِ تیغ تیز تھا ۔۔۔ تیزاب سے بھی تیز بوقتِ ستیز تھا
رہوار بے حواس دمِ جست و خیز تھا ۔۔۔ اور لنگ ان کے ہاتھ سے پائے گریز تھا
پٹکا پکڑ کے لے گئے یوں اس کو زین سے
وہ زین سے جدا ہوا مرکب زمین سے

——❖❖❖——

حضرت عباسؑ کا دریا پر پہنچنا اور مشک بھرنا

میر انیس

"کیوں! اور بھی ہے کوئی جو روکے ہماری راہ؟" کاندھے پہ تیغ رکھ کے پکارا وہ رشکِ ماہ
پہنچا کچھار میں پسرِ ضیغم الٰہ دَب دَب کے گھاٹ چھوڑ گئی شام کی سپاہ
کی آہ! خیمۂ شہِ والا کو دیکھ کر
آنسو بھر آئے آنکھوں میں، دریا کو دیکھ کر

دریا سے بھر چکا وہ بہشتی جو مشکِ آب چلایا فوج کو عمرِ خانماں خراب
"لو مشک لے چلا جگر و جانِ بوترابؑ سادات پر بس اب نہ کبھی ہوں گے فتح یاب
گر مشک تا خیامِ شہِ نیک خو گئی
یہ جان لو کہ جان گئی، آبرو گئی"

مرزا دبیر

یہ کھیت پڑا رن میں کہ رن فوج نے چھوڑا عباسؑ بڑھے ڈال دیا نہر میں گھوڑا
اِک جام حباب اسپ سُبک رَو نے نہ توڑا پر تیغ نے منہ کو نہ زد و کشت سے موڑا
ریتی سے سوا خون کی یاں نہر بہی تھی
دریا میں گلے مچھلیوں کی ریت رہی تھی

..........عباس نے جب گھوڑا پانی میں ڈال دیا تو گویا دریا سے خطاب کیا..........

دریا سے مخاطب ہوا حیدرؑ کا وہ جانی کیوں نذر سکینہؑ میں بھروں مشک میں پانی
آئی یہ ندا شوق سے اے جعفرِؓ ثانی پر پیاسوں کی تقدیر میں ہے خشک زبانی
جز صبر دوا تشنہ دہانی کی نہیں ہے
تقدیر میں اِک بوند بھی پانی کی نہیں ہے

سُوکھے ہوئے مشکیزے کا پھر کھولا دَہانہ بھرنے لگا خم ہو کے وہ سرتاجِ زمانہ
اعدا نے کیا دور سے تیروں کا نشانہ اور چوم لیا حیدرِ کرار نے شانہ
فرمایا کہ کیا کیا مجھے خوش کرتے ہو عباسؑ
پانی مری پوتی کے لیے بھرتے ہو عباسؑ

—— ❖ ❖ ❖ ——

امام حسینؑ کی بی بی سکینہؓ سے رخصت

میر انیس

''جانا ہے دور، شب کو جو آنا نہ ہو اِدھر　　ضد کر کے روئیو نہ، ہمیں چاہتی ہو گر
پہلے پہل ہے آج شب فرقتِ پدر　　سو رہیو ماں کی چھاتی پہ غربت سے رکھ کے سر
راحت کے دن گزر گئے، یہ فصل اور ہے
اب یوں بسر کرو، جو یتیموں کا طور ہے''

''عباس اب کہاں ہیں، کہاں اکبرِ حسیں　　اعدا کو بڑھ کے روکنے والا کوئی نہیں
خیمے تک آ نہ جائے کہیں فوجِ اہل کیں　　رخصت کرو حسینؑ کو اے زینبِ حزیں!
لا دو رسولِ پاک کا رختِ کہن ہمیں
پہنا دو اپنے ہاتھ سے زینبؑ کفن ہمیں''

مرزا دبیر

زین العباؑ کو رازِ امامت بتا چکے　　زینبؑ کو اپنا صاحبِ ماتم بنا چکے
بانوؑ سے مہر بھی شہؑ دیں بخشوا چکے　　پیغام موت کا ملک الموت لا چکے
زہراؑ کی قبر ہلتی ہے پوتی کے بین سے
لپٹی ہے چار سال کی بیٹی حسینؑ سے

جب دیکھتے ہیں اس کی طرف تھرتھراتے ہیں   کرتے میں گھنڈی دیتے ہیں ٹوپی پنہاتے ہیں
دکھلا کے اُس کا حال بہن کو سناتے ہیں   اس سن کے بچے اور بھی یہ دُکھ اُٹھاتے ہیں
دریا پہ خون بی بی کے سقے کا بہہ گیا
یہ خشک ہونٹ دیکھنے کو باپ رہ گیا

کیا حال ہو گیا ہے مری بے وطن کا آہ!   کیا دل دھڑک رہا ہے مری خستہ تن کا آہ
کیا منہ اُتر گیا ہے مری کم سخن کا آہ!   کیا تن لرز رہا ہے مری گلبدن کا آہ
سانس ایسی لے رہی ہیں کہ بابا میں دم نہیں
اکبرؑ کی لاش دیکھنے سے یہ بھی کم نہیں

زینبؑ جواب دیتی ہیں فاقہ ہے تیسرا   بھیا ابھی سکینہؑ کا سن کیا بساط کیا
دیتی ہے وہ قسم نہ کڑھیں شاہِ کربلا   سر پر ہیں آپ ہے یہ بڑی نعمتِ خدا
دل پر نہ داغ قبلہ و کعبہ کا لوں گی میں
جان اپنی دوں گی آپ کو جانے نہ دوں گی میں

یہ جو کہا سکینہؑ نے ٹھہرا سبھوں کا دم   کبریٰؑ نے عرض کی شہِ دیں سے بچشم نم
خالق نے عاجزی پہ ہماری کیا کرم   خاموش تھے حضور کے پاسِ ادب سے ہم
قسمت نے کی مدد کرم ذوالجلال ہے
اب رن کو گھر سے آپ کا جانا محال ہے

یہ میں نہیں، حضور نے بہلا دیا جسے   عابدؑ نہیں، کہ آپ نے سمجھا دیا جسے
اماں نہیں، کہ گوشے میں بٹھلا دیا جسے   زینبؑ نہیں، کہ صبر کو فرما دیا جسے
گھر بھر کی جان عاشق شاہِ مدینہ ہیں
صغریٰؑ نہیں کہ صبر کریں یہ سکینہؑ ہیں

ہم سے تو لی اب ان سے رضا لو تو جانیں ہم　　گردن سے ننھی بانہیں نکالو تو جانیں ہم
ہاتھوں سے ان کے ہاتھ چھڑا لو تو جانیں ہم　　کہنا سکینہؑ جان کا ٹالو تو جانیں ہم
روٹھیں تو پھر حضور انہیں کی خوشی کریں
یہ اپنی ضد کی ہیں جو کہیں پھر وہی کریں

ایسی ہٹیں بہن کی ہمیں بھی خوش آتی ہیں　　اماں کو بھاتی ہیں، پھوپھی اماں کو بھاتی ہیں
ضد کیسی، ہم غریبوں پہ یہ رحم کھاتی ہیں　　اس ڈوبتے جہاز کو بہنا بچاتی ہیں
جو اور ناخدا تھے وہ مقتل میں سوتے ہیں
اب غرق ہوتے سب کہ خدا آپ ہوتے ہیں

شہؑ بولے بے جدائی کے چارہ نہیں ہمیں　　اب روؤ پیٹو، دھیان تمہارا نہیں ہمیں
اللہ کے عتاب کا یارا نہیں ہمیں　　کوئی خدا کے سامنے پیارا نہیں ہمیں
عشقِ خدا کا روزِ ازل دم بھرے حسینؑ
دنیا میں آ کے وعدہ خلافی کرے حسینؑ

چلائی کانپ کانپ کے وہ نورِ چشمِ شاہ　　اے خالقِ جلیل تو رہیو مرا گواہ
تیری رضا کے واسطے میں ہوتی ہوں تباہ　　بچپن میں دل پہ لیتی ہوں داغِ حسینؑ آہ
تیرے محبوں پر میں یہ احسان کرتی ہوں
بابا کو تیری راہ میں قربان کرتی ہوں

——٭٭٭——

گھوڑے کی تعریف

میر انیس

گھوڑا کہیں، پرند کسی جا، پری کہیں　　آہو کہیں، ہما کہیں، کبکِ دری کہیں
تیروں نے اُس سے رَو میں نہ کی ہمسری کہیں　　نرمی کہیں، شتاب کہیں، صفدری کہیں
رکھتا تھا معرکے میں قدم اس وقار سے
جیسے چمن میں پھول گریں شاخسار سے

دونوں کنوتیاں ہیں، کہ پیکان تیر ہیں　　چاروں سم اُس کے غیرتِ بدرِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجئے جو نظر، بے نظیر ہیں　　یاں ایسی، جس کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں
سُرعت میں اُس سے طیر کو نسبت، نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں، کہ خجالت حریر کو

آیا فرس سجا ہوا کس ترک تاز سے　　سُرعت کا قافلہ نکل آیا حجاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے　　جیسے پری چمن میں خراماں ہو ناز سے
فوق اُس کو تھا ہمارے سعادت نشان پر
سُم تھے زمین پر، تو دماغ آسمان پر

وہ شوخیاں فرس کی' وہ سُرعت' وہ آؤ جاؤ — سو حسن تھا' فقط جسے ہیکل کا اِک بناؤ
جب چاہو' سیر عالمِ امکاں کی کر کے آؤ — تازی ہو روح' پائے قدم میں وہ لطف پاؤ
رفعت میں پست حوصلہ کبک دری کا تھا
چھلبل ہرن کی تھی' تو جھمکڑا پری کا تھا

گھوڑا اُڑا' کہ ہوگئی سرعت ہوا کی گرد — بوئے چمن بنی قدم باد پا کی گرد
جا پہنچی تا بہ فرقِ ثریا ثرا کی گرد — اُڑ کر سرِ فلک پہ گئی کربلا کی گرد
خورشید کی ضیا تھی سموں کے نشان پر
نخوت سے تھا زمیں کا دماغ آسمان پر

وہ حرب' وہ شکوہ' وہ شان پیمبری — نعرے وہ زور و شور کے' وہ ضرب حیدری
وہ تیغ خوں چکاں' وہ جلال غضنفری — راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری
چالاک آہوان ختن اس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہما کی طرح' اور پر نہ تھے

وہ چست و خیز و سرعت و چالاکی سمند — سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اُس کے جوڑ بند
سُم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند — نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سر بلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ' اُڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مُڑ گیا

آہو کی جست' شیر کی آمد' پری کی چال — کبک دری خجل' دل طاؤس پائمال
سبزہ سبک روی میں قدم کے تلے نہال — اِک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا قدم کے تلے گرد بروتھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا بھی گرد تھا

آمد فرس کی تھی، دلہن آتی ہے جس طرح   تھم تھم کے نکہتِ چمن آتی ہے جس طرح
تصویرِ آہوئے ختن آتی ہے جس طرح   یا شمع سوئے انجمن آتی ہے جس طرح
باہم طیور کہتے تھے' کبک دری ہے یہ
گھوڑے چراغ پا تھے' کہ بے شک پری ہے یہ

آیا عجب شکوہ سے اسپ قمر رکاب   تھامے تھی فتح زین کا دامن' ظفر رکاب
چشمک زنی ہلال پہ کرتی تھی ہر رکاب   حلقہ تھا نورِ مہر کا' یا جلوہ گر رکاب
فتراک تھے' کہ کھولے ہوئے تھے عقاب پر
زیں پر تھا گرد پوش کہ ابر آفتاب پر

اللہ ری شان! واہ رے حملے جنابؑ کے!   خاک اُڑ گئی' جدھر گئے گھوڑے کو داب کے
دکھلا دیئے وغا میں چلن بوترابؑ کے   فتراک تھے' کہ پر فرس لاجواب کے
پتلی جدھر سوار نے پھیری' وہ مڑ گیا
اُترا براق بن کے' پری ہو کے اُڑ گیا

پیکاں ہیں دو کنوتیاں ہنگامِ دار و گیر   حلقے سے یوں نکلتا ہے' جیسے کماں سے تیر
روئیں وہ نرم' جلد وہ باریک و بے نظیر   چینی پرند جس کے مقابل ہے' نہ حریر
ایسی سبک روی نہیں دیکھی شہاب میں
دوڑے' تو فرق آئے نہ مخمل کے خواب میں

پھرتا تھا کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے   سرعت بلائیں لیتی تھیں منہ چوم چوم کے
پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے   غُل تھا یہ غول میں پسرِ سعدِ شوم کے
رخش ایسا روم و رے میں نہیں' شام میں نہیں
یہ شوخیاں تو ابلق ایّام میں نہیں

آہو کی آنکھ، شیر کی چتون، پری کی چال
وہ یال تھی، کہ حور نے بکھرا دیئے تھے بال
گردن کے خم کو دیکھ کے ہو سرنگوں ہلال
پوچھے کوئی سوار سے شائستگی کا حال
اُڑ کر نہ زین تک کبھی گردِ قدم گئی
جب بس کہا، چمکتی ہوئی برق تھم گئی

مرزا دبیر

شیریں ادا وہ رخش پری رو ہے زیر راں
کوڑے کا دھیان لائے جو را کب تو یہ کہاں
چلنے میں چھوڑ دیتا ہے یہ حد آسماں
یعنی کہ تازیانے کی صورت ہے کہکشاں
دم بھر بھی آشنا یہ نہیں غرب و شرق کا
دلسوز ہے ہوا کا، ہوا خواہ برق کا

شہگام و اگر چلے کبھی یہ غیرت پری
غیرت سے کھائے توسن دارا سکندری
صرصر سے ہے بڑھی ہوئی چال اس کی سرسری
رفتار کون کہتا ہے یہ ہے فسوں گری
آئینہ اس کے رُخ پہ جو وَا اپنا در کرے
یہ اُس میں اپنے سائے سے پہلے گزر کرے

اس رخش پر سوار جو آیا وہ صف شکن
یوں دفعتاً کھڑے ہوئے اعدا کے موئے تن
جو صورت زرہ ہوئے سوراخِ پیرہن
بسمل کی نبض بن گئے سر تا قدم بدن
میداں سے پاؤں اُٹھنے لگے خود گر گئے
مارا طمانچہ موت نے منہ سب کے پھر گئے

نے چرخ کے سو دورے نہ اِک رخش کا کاوا
دیتا ہے سدا عمرِ رواں کو یہ بھلاوا
یہ قسم ہے ترکیب عناصر کے علاوہ
اللہ کی قدرت ہے نہ چھل بل نہ چھلاوا
چلنا ہے غضب چال قدم شل ہے قضا کا
توسن نہ کہو رنگ اُڑا ہے یہ ہوا کا

گردوں ہو کبھی ہم قدم اُس کا یہ ہے دشوار   وہ قافلہ کی گرد ہے یہ قافلہ سالار
وہ صنف ہے یہ زور، وہ مجبور یہ مختار   یہ نام ہے وہ ننگ، ہے یہ فخر ہے وہ عار
اِک جست میں رہ جاتے ہیں یوں ارض سما دور
جس طرح مسافر سے دم صبح سرا دور

ٹھہرے تو فلک سب کو زمیں پر نظر آئے   دوڑے تو زمیں چرخِ بریں پر نظر آئے
شہباز ہوا کا نہ کہیں پر نظر آئے   راکب ہے فقط دامنِ زیں پر نظر آئے
اس راکب و مرکب کی برابر جو ثنا کی
یہ علم خدا کا، وہ مشیّت ہے خدا کی

شوخی میں پری حُسن میں ہے حور بہشتی   طوفان میں راکب کیلئے نوحؑ کی کشتی
کب ابلقِ دوراں میں ہے یہ نیک سرشتی   یہ خیر ہے وہ شر ہے، یہ خوبی ہے وہ زشتی
صحرا میں چمن، فصل بہاری ہے چمن میں
رہوار ہے اصطبل میں تلوار ہے رن میں

اکبرؑ جو ہوئے جلوہ فگن دامنِ زیں پر   پھر زین نے آوازہ کسا مہرِ مبیں پر
توسَن نے قدم ناز سے رکھا نہ زمیں پر   سرعت نے کہا سیر کو چل عرشِ بریں پر
یکتا تھے دو رہوار جہاں اور جناں میں
جنت میں براقِ نبویؐ، اور یہ جہاں میں

وہ رخش تھا یا ابلقِ ایام کا اقبال   نِک سِک سے درست اور جواں بخت، جواں سال
جادو کی نری آنکھ، فقط معجزے کی چال   خورشید کے سم، برق کی دُم سنبلہ کی یال
قوّت کی طبیعت تھی دلیری کا جگر تھا
سُرعت کا بدن، فہم کا دل، عقل کا سر تھا

کی جست وخیز رخش نے ہلتے ہی باگ کے جیسے سپند اُچھلتا ہے شعلے سے آگ کے
دریا میں فتنہ ڈوب گیا اِن سے بھاگ کے قبروں کے سونے والے پریشاں تھے جاگ کے
دنیا سیہ تھی اخترِ تاباں نکل پڑے
ہیبت سے پیرِ چرخ کے دنداں نکل پڑے

جولاں امامِ دیںؑ کا جو رہوار ہو گیا گردش سے گرد گنبدِ دوّار ہو گیا
ہر آسماں کا دائرہ پرکار ہو گیا ثابت ہوا کہ قطب بھی تیار ہو گیا
حشر آ گیا جدھر شہؑ ابرار مڑ گئے
افلاک مثل پنبۂ حلّاج اُڑ گئے

چیتے کی جست، شیر کی چتون، ہرن کی آنکھ شرمائے جس سے آہوے چین وختن کی آنکھ
پڑتی تھی یوں حریف پہ اُس صف شکن کی آنکھ لڑتی ہے جیسے جنگ میں شمشیر زن کی آنکھ
راکب شجاع تھا، تو فرس بھی دلیر تھا
گھوڑا پروں میں تھا، کہ غزالوں میں شیر تھا

——❖❖❖——

حُرؓ کی میدانِ جہاد میں آمد

میر انیس

حُرؓ چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کر توسَن ‏ ‏ چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن
وہ جلال، اور وہ شوکت، وہ غضب کی چتون ‏ ‏ ہاتھ میں تیغ، کماں دوش پہ، بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھُلے جاتے تھے

زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے ‏ ‏ دست فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
برچھیوں اڑتا تھا دب کے فرس رانوں سے ‏ ‏ آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خودِ رومی کی جو ضَو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

مرزا دبیر

بڑھ کر سوار ہونے لگا حُرِؓ نامور ‏ ‏ زینبؑ کے دونوں لاڈلے آئے اِدھر اُدھر
پھیلا کے کرتے اور حیا سے جھکا کے سر ‏ ‏ بولے کہ ہم نے روکا تھا تجھ کو معاف کر
تو نے کیا ہے خوش پسر بوترابؑ کو
جعفرؑ کے پوتے تھامیں گے تیری رکاب کو

رونق فزائے زیں ہوا پھر وہ شہسوار — نصف النہار میں کیا خورشید نے قرار
روشن ہوئے چراغ رکابوں کے ایک بار — روشن نگاہ فتح پکاری نقیب دار
ہیبت سے فوج اہلِ جفا زرد ہو گئی
بڑھتے ہی باد پا کے ہوا گرد ہو گئی

..........حُر کی میدان جہاد میں آمد..........

رن کو رواں ہے تابعِ فرماں حسینؑ کا — غم کھانے کو ہوا ہے جو مہماں حسینؑ کا
طوبیٰ ہے جس کو سایۂ داماں حسینؑ کا — بوذرؓ ہے وہ حسینؑ کا سلماںؓ حسینؑ کا
کیا دبدبہ ہراولِ شاہِ ہدا کا ہے
نصرت جلو میں پشت پہ سایہ خدا کا ہے

—— ❖ ❖ ❖ ——

امامِ جلیلؑ کے چہرے کی تعریف

میر انیس

وہ روئے دل فروز، وہ زُلفوں کا پیچ و تاب گویا کہ نصف شب میں نمایاں ہے آفتاب
ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب آنکھیں وہ، جن سے نرگسِ فردوس کو حجاب
پُتلی کا رعب سب پہ عیاں ہے خدائی میں
بیٹھا ہے شیر پنجوں کو ٹیکے ترائی میں

مرزا دبیر

شمع و چراغ و آئینہ و صبح و آفتاب باغ و بہار و یاسمن و لالہ و گلاب
ناہید و بدر و مشتری و قطب و ماہتاب آبِ حیات، لعلِ بدخشاں، دُرِ خوش آب
یوسفؑ اور اُن کے سارے خریدار اِک طرف
سب اِک طرف، یہ روئے ضیا بار اِک طرف

———❖❖❖———

تلوار کی تعریف

میر انیس

کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغِ دوسر جُدا　　جیسے سوادِ شب سے بیاضِ سحر جُدا
نصرت کا آئینہ تھا جُدا، اور گھر جُدا　　محمل جُدا تھا، لیلیٰ فتح و ظفر جدا
تیغ کشیدہ دستِ شہِ بحر و بر میں ہے
طومار ہاتھ میں ہے، لفافہ کمر میں ہے

نکلی جو رن میں تیغِ حسینی غلاف سے　　اُڑنے لگے شرر دمِ خارا شگاف سے
بجلی بڑھی چمک کے جو دشت مصاف سے　　صاف آئی الاماں کی صدا کوہِ قاف سے
طبقے زمیں کے صورتِ گہوارہ ہل گئے
دب کر پہاڑ خاک کے دامن سے مل گئے

سیفی چلی، کہ سیفِ شہِ لافتا چلی　　گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منہ بلا چلی
بن میں سمومِ قہر و عتاب خدا چلی　　جھونکوں سے جس کے اُڑتے ہیں سر وہ ہوا چلی
آواز الاماں کی سپہرِ بریں پہ تھی
بڑھ کر جو یوں پھری، صف اوّل زمیں پہ تھی

غُل تھا، کہ وہ چمکتی ہوئی آئی، یہ گری
برچھی سے اُڑ گئی وہ سناں، یہ گرہ گری
ترکش کٹا، کمانِ کیانی سے زہ گری
یہ سر گرا، وہ خود گرا، وہ زرہ گری
آتی ہے لشکروں پہ تباہی اسی طرح
گرتی ہے برقِ قہرِ الٰہی اسی طرح

مرزا دبیر

یہ کہہ کے لی جو میان سے تیغ ظفر اثر
نکلا ہر ایک دیدۂ جوہر سے اِک شرر
عادل کے ہاتھ میں تھی جو وہ تیغِ شعلہ ور
یکبارگی یہ عدل نے اس میں کیا گزر
انصاف سے قدم کبھی آگے نہ دھرتی تھی
دو حصے اِک بدن کے برابر سے کرتی تھی

مجنوں کی برق آہ تھی، بن بن چمک گئی
فرہاد کا وہ تیشہ بنی، کوہ تک گئی
شیریں کی بانہہ تھی کہ کھنچی اور مڑک گئی
لیلیٰ کی تھی کمر کہ چلی اور لچک گئی
گاہے دلوں کے پردے سے منہ ڈھانکنے لگی
زخموں کے روزنوں سے کہیں جھانکنے لگی

ہر جا پہ برق بارقہ تھی، اور نہیں بھی تھی
بالائے آسماں بھی تھی، زیرِ زمیں بھی تھی
غصے کی آنکھ تھی، نگہِ دوربیں بھی تھی
ابرو بھی تھی، جبیں بھی تھی، چینِ جبیں بھی تھی
جوہر دکھا کے کہتی تھی یہ رزم گاہ میں
افشاں چنی ہے میں نے یہ دولہا کے بیاہ میں

گہ شکلِ پنبہ زار دلوں کو جلاتی تھی
گہ مثلِ شمع فوج کے تیور بُجھاتی تھی
گہ توسن و سوار کو باہم گراتی تھی
بجلی تھی اور رعد کو کوڑا لگاتی تھی
جو رنگ کے نئے تھے وہ رنگ اس سے جو ہوئے
گاوِ زمین و شیر فلک مل کے دو ہوئے

—— ❖❖❖ ——

امامِ عالیؑ مقام کی شہادت

میر انیس

آئی ندائے غیب کہ "شبیرؑ! مرحبا! اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر! مرحبا!
یہ آبرو، یہ جنگ، یہ توقیر! مرحبا! دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر! مرحبا!
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہؑ نے میان میں پلٹی سپاہ، آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں پھر کھل گئے لپٹ کے پھر ہرے نشان میں
بے کس امام ظلم شعاروں میں گھر گئے
تنہا حسینؑ لاکھ سواروں میں گھر گئے

چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر یہ دُکھ نبیؐ کی گود کے پالے حسینؑ پر!
تیر ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

ڈوبے ہوئے تھے خون میں گیسو حسینؑ کے　　آنکھوں پہ کٹ کے آ پڑے ابرو حسینؑ کے
زخمی تھے دونوں ساعد و بازو حسینؑ کے　　تیروں نے چھان ڈالے تھے پہلو حسینؑ کے
تیغیں اُبل ہوئی جو برابر سے چل گئیں
غش آ گیا' قدم سے رکابیں نکل گئیں

گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے' ہے غضب　　چھوٹی لجام! دست مطہر سے' ہے غضب!
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے' ہے غضب!　　گردن ڈھلی' عمامہ گرا سر سے' ہے غضب!
قرآن رحلِ زین سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی' عرش گر پڑا

مرزا دبیر

جس دم نگینِ خاتمِ پیغمبرانؐ گرا　　رونق اُٹھی زمین سے شاہ زماں گرا
گرنے پہ سب گروہ لئے برچھیاں گرا　　ہے ہے نہ ان جفاؤں پہ بھی آسماں گرا
زہراؑ سے پوچھیئے وہ قلق نورِ عین کا
تپنا زمیں کا اور وہ تڑپنا حسینؑ کا

مشاق بہر ذبح بڑھے دشمنانِ دیں　　قاتل کئی کھڑے ہوئے شبیرؑ کے قریں
کوئی پکارا ہاں' کوئی بولا ابھی نہیں　　اب دیر کیا ہے سجدے میں رکھ لینے دو جبیں
آواز دی عمر نے' ہے گردن ڈھلی ہوئی
قاتل پکارا آنکھ ذرا ہے کھلی ہوئی

سب تھم گئے' مگر نہ تھما شمرِ بدشیم　　سر پیٹنے کی جا ہے دھرا کس جگہ قدم
سینہ دبا تو اور بھی تڑپے شہِ اُمم　　شورِ فغاں سُنا اسی حالت میں دمبدم
قاتل سے پوچھا دیکھ کدھر غُل یہ ہوتا ہے
ہائے حسینؑ کہہ کے کوئی رن میں روتا ہے

وہ بولا کوئی ہوگا، میں دیکھوں بھلا کدھر اب تیغ پر نگاہ ہے، شہ رگ پہ ہے نظر
ہاں جب سوار ہونے لگا تھا میں سینے پر سیدانی ایک خیمے سے نکلی تھی ننگے سر
اسدم ہماری فوج میں تو عید ہوتی ہے
مجھ کو یقین ہے یہ وہی بی بی روتی ہے

شہؑ بولے اور کوئی نہیں یہ بہن بہن عاشق بہن حسینؑ کی تشنہ دہن بہن
بھولیں ہمارے پیار میں، ماں کا چلن بہن بلوہ کہاں کہاں یہ مری خستہ تن بہن
قاتل پکارا آگے بھی یہ باہر آئی تھی
شہؑ بولے جب سناں علی اکبرؑ نے کھائی تھی

—— ❖❖❖ ——

بین

میر انیس

چلاتی تھی ارے مرا بھائی ہے کس طرف؟ لوٹی ہوئی علیؑ کی کمائی ہے کس طرف؟
دریا کدھر ہے خوں کا، ترائی ہے کس طرف؟ سونے کی جا حسینؑ نے پائی ہے کس طرف؟
رستہ دے اے زمیں، کہ فلک کی ستائی ہوں
میں اپنے پیارے بھائی سے ملنے کو آئی ہوں

بھیا! میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں؟ کیا کروں؟ کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں؟ کیا کروں؟
کس کی دہائی دوں؟ کسے چلاؤں؟ کیا کروں؟ بستی پرائی ہے، میں کدھر جاؤں؟ کیا کروں؟
دُنیا تمام اُجڑ گئی، ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں، کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

اے قبرِ مصطفیٰؐ کے مجاور! ترے نثار اے بے کس و غریب مسافر ترے نثار
اے تشنہ کام و صابر و شاکر! ترے نثار اے دینِ حق کے حامی و ناصر! ترے نثار
آئے تھے کربلا میں شہادت کے واسطے
اک دن میں گھر لٹا دیا اُمت کے واسطے

مرزا دبیر

ہوش آیا تو سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکاری ہے ہے مرے والی تری غربت کے میں واری
تنہا نہ سفر کیجئے اے عاشقِ باری منگوایئے مجھ کشتۂ غم کی بھی سواری
منزل کا پتہ تو کہیں دیتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو جہاں مجھ کو بھی لیتے ہوئے جاؤ

کس سے میں کہوں، آہ مقدر کی برائی تم مر گئے اور آہ مجھے موت نہ آئی
لوٹا ہے مرا راج دہائی ہے دہائی دل پر ہے مرے غم کی گھٹا آن کے چھائی
پیغام فراق آ کے اجل کہہ گئی صاحب
میں پیٹنے رونے کے لیے رہ گئی صاحب

پردیس میں مایوس مجھے کر گئے ہے ہے والی مرے تنہا لب کوثر گئے ہے ہے
صاحب مجھے یاں چھوڑ کے کس پر گئے ہے ہے رخصت دم آخر نہ ہوئے مر گئے ہے ہے
زندہ نہ ملے آ کے مجھ آوارہ وطن سے
آئے بھی تو یوں خوں میں نہائے ہوئے رن سے

—❖❖❖—

دُعا

میر انیس

یارب! کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو　　دُنیا میں بے چراغ کوئی خانماں نہ ہو
ماں باپ سے جُدا پسرِ نوجواں نہ ہو　　چھٹ جائیں سب، پہ فرقتِ آرام جاں نہ ہو
گر لا علاج ہے، تو کلیجے کا داغ ہے
بدتر وہ قبر سے ہے، جو گھر بے چراغ ہے

دشمن کو بھی جہاں میں فراق پسر نہ ہو　　ویراں کسی غریب کا آباد گھر نہ ہو
ہوں سب طرح کے درد، پہ دردِ جگر نہ ہو　　یارب! کسی کو صدمۂ نورِ نظر نہ ہو
مٹی ہے، سلطنت جو ملے کائنات کی
بیٹا نہ ہو، تو خاک ہے لذّت حیات کی

مرزا دبیر

یارب کبھی جہان میں وہ دن بھی آئے گا　　مجھ سا شکستہ پا جو یہ معراج پائے گا
طالع تو نارسا ہے، وہاں لے نہ جائے گا　　ہاں خضرِ فضلِ حق، درِ مولا دکھائے گا
اُڑ کر ابھی میں گرد پھروں اس رواق کے
دے مرکب مراد کو شہپر براق کے

اِک جان اور ہزار تمنا ہے، اے کریم
ادنیٰ کو شوقِ منصب اعلیٰ ہے اے کریم

پر تیری بارگہ میں کمی کیا ہے اے کریم
بندے کی آرزو یہ سراپا ہے اے کریم

قالب نجف میں روح رواق حسینؑ میں
آنکھیں رضاؑ کے روضے میں دل کاظمینؑ میں

—❖❖❖—

اردو مرثیہ ایک مرکب صنفِ سخن ہے اور اس میں ہماری بیشتر اصناف کا جوہر موجود ہے۔ اردو مرثیے کی ادبی وقعت و اہمیت اجاگر کرنے والوں میں مسعود حسن رضوی ادیب کا نام اور کام اعتبار کی سند سمجھا جاتا ہے۔ خاص طور پر انیس فہمی اور دبیر شناسی میں ان کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ انیس و دبیر کو مخصوص دائروں سے نکال کر بین الاقوامی سطح پر روشناس کرایا جائے۔ مسعود حسن رضوی ادیب کی کاوش "رزم نامہ انیس و دبیر۔ تعارف و تقابل" اسی سوچ کی عملی شکل قرار دی جا سکتی ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی ادب کے مسیحا ہیں۔ وہ گمشدہ الفاظ کو قبائے زندگی پہنانے میں مہارت رکھتے ہیں۔ انہوں نے مسعود حسن رضوی ادیب کی بے شمار تخلیقات کو تلاش بھی کیا اور ان کی بروقت اشاعت کا اہتمام کر کے مسعود صاحب سے اپنی والہانہ محبت کا ثبوت بھی دیا ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی یہ تالیف جہاں ایک جانب ان کی مسعود حسن رضوی صاحب سے والہانہ محبت کی امین ہے، وہاں دوسری جانب مرثیہ فہم و مرثیہ شناس احباب کے لیے ایک بے مثال تحفہ ہے۔ میں اس اہم تاریخی دستاویز کی اشاعت پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یکم جنوری 2006ء

ڈاکٹر سیّد شبیہ الحسن
استاد شعبہ اردو
گورنمنٹ کالج، ٹاؤن شپ، لاہور

اظہار سنز

19۔ اردو بازار لاہور فون: 7230150

ہیڈ آفس: 9۔ ریٹی گن روڈ لاہور فون: 7220761

E-mail: izharsons_2004@hotmail.com

www.izharsons.com